

ماہنامہ  
شعاعِ عمل  
لکھنؤ جون ۲۰۱۷ء

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ  
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حسینہ غفران مااب، چوک، لکھنؤ-۳



R.N.I NO. UPBIL/2004/13526

Postal Regd. No. SSP/LW/NP-75/2017-19 Dispatch Date: 2 & 6 of Every Month

Annual Rs. 200/-

June 2017

Per Copy- Rs.25/-

शुआ-ए-अमल

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



علمبردار اتحاد بین المسلمین حمید الاسلام والمسلمین صفوة العلماء مولانا سید کلب عابد نقوی رحمت مآب  
ولادت یکم جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ء وفات شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء

Lucknow



NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION

Imambara Ghufraan Maab, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Ph.:0522-2252230

Per Copy 25/-  
Annual 200/-

# نور ہدایت فاؤنڈیشن کا اسلامی، علمی اور تحقیقی

## شعاع عمل

ماہنامہ  
جون ۲۰۲۲ء

زیر سرپرستی

قائد ملت حجة الاسلام والمسلمین

مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

عزت مآب نواب رضا صاحب، بھوپال

سید مصطفیٰ حسین نقوی 'اسیف جاسی'

قائم مہدی نقوی تہذیب نگردی

آصف عباس نوگانوی

ترسیل زر کا پتہ

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

Phone No: 0522-2252230

Mobaile No: 08736009814 -09335996808

پبلشر- پرنٹر، سید مصطفیٰ حسین نقوی نے مالک ایس۔ کلب جواد نقوی کے لئے نظامی پریس و کٹوریہ اسٹریٹ، پوزٹ حسین مارکیٹ چوک لکھنؤ (یو۔ پی)  
سے چھوڑ کر نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک لکھنؤ (یو۔ پی) سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: سید مصطفیٰ حسین نقوی



جلد ۱۳

شمارہ ۱۲

قیام مؤسسہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۰۳ء

اجزاء جویدہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ / جولائی ۲۰۰۴ء

نگراں: م۔ ر۔ عابد گولہ گنج، لکھنؤ

مجلس مشاورت

- پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ
- دکتر مہدی خواجہ چیری، ایران
- مولانا حسن ظفر نقوی، کراچی
- کمپین سکندر رضوی، لکھنؤ
- پروفیسر سید حسین مال الدین اکبر، الہ آباد
- سید احمد عباس نقوی، ممبئی
- شاعر اہل بیت رضا سوسوی
- سید سیف تقی نقوی، دہلی
- محمد عالم صاحب، حسین آباد، لکھنؤ



# فہرست مضامین

(جون ۲۰۱۷ء / رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ)

| نمبر شمار | مضمون                             | مضمون نگار   | صفحہ |
|-----------|-----------------------------------|--|------|
| ۱         | (اداریہ)                          | م۔ر۔عابد   | ۵    |
| ۲         | اثبات پردہ (آخری قسط)             | آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی | ۶    |
| ۳         | ترتیب و تنقید مقاتل کی مہم        | علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری صاحب قبلہ             | ۱۸   |
| ۴         | عورت اسلام کی روشنی میں (قسط - ۱) | اسد العلماء مولانا سید اسد علی صاحب الہ آبادی        | ۲۱   |
| ۵         | مرثیہ درحال امام حسینؑ (بند ۲۱۳)  | دعبل بند مولانا سید فرزند حسین ذاکر اجتہادی          | ۳۱   |
| ۶         | خبرنامہ                           | (ادارہ)  | ۵۸   |

## مجلس ادارت

- ڈاکٹر امانت حسین نقوی
- حیدر عباس نقوی، الہ آباد
- عمیل شمس، لکھنؤ
- واصف احمد نقوی، سمیر
- مہدی رضا
- شاہد علی اعظمی
- ذوالفقار حیدر اعظمی
- الحاج مرزا ہمایوں قدر
- ڈاکٹر عارف عباس
- ریحان عالم، لکھنؤ
- سلمان حسین، لکھنؤ
- بنت زہراء ندی الہندی
- الحاج فرید مہدی رضوی

ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی  
عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش  
کیف نقی نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.  
UPBIL/2004/13526  
Postel Regd. NO.  
SSP/LW/NP-75/2017-2019

### WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org  
www.naqeeblucknow.com

### E\_mail:

noorehidayat@yahoo.com  
noorehidayat@gmail.com

## زرسالانہ

ایک سال کے لئے: -/200  
پانچ سال کے لئے: -/800  
لائف ممبر شپ: -/5000

ماہنامہ

## ‘شعاع عمل‘

(ہندی وارو)

‘خاندان اجتہاد نمبر‘ روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

ماہنامہ ‘شعاع عمل‘، لکھنؤ

جون ۲۰۱۷ء

## کچھ نسبت کی مناسبت سے

ہمارا تازہ شمارہ جس تازگی بھرے پر بہار مہینہ میں آپ کی نظر کی نذر ہے، وہ خدا سے منسوب ہے۔ ویسے ہر مہینہ، ہر سال، ہر دن، ہر پل اسی واجب الوجود بے نیاز زمان و مکان کا ہے۔ پھر بھی اس خاص نسبت کی کچھ تو حکمت ہوگی۔ یہ بات اپنی جگہ، سر دست کچھ نسبت کے بارے میں بات ہو جائے۔ نسبت یا اضافت تعریف و تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ویسے ہمارے عرف عام میں جسے نسبت کہا جاتا ہے وہ ایک خاص موقع سے متعلق ہوتی، اسے منگنی بھی کہتے ہیں۔ (منگنی زیادہ بر محل اور بامعنی ہے) منگنی کے علاوہ نسبت کا دائرہ بہت زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ بیسویں صدی کے مقتدر ماہر طبیعیات (physicist)، سائنس دان فلسفی آئنس ٹائن نے تو زمان و مکان سب کو اضافی، کہا، سمجھا اور سمجھایا۔ اس کی یہ سوچ نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) کے نام سے مشہور ہے اور کوئی ثابت شدہ سائنسی قانون نہ ہوتے ہوئے بھی آج کافی حد تک سائنس کی دنیا پر چھائی ہوئی ہے بلکہ حکمراں ہے اور بہت سے تجربوں اور تحقیق کا موضوع رہی ہے۔ یہاں اس نظریہ کی صحت پر کوئی بحث مقصود نہیں ہے، نہ ہی اس کا یہ صفحہ متحمل ہو سکتا، نہ ہی یہ ناچیز قلم اس کا اہل ہے۔

لیکن اس میں ایک بات ہمارے مطلب کی بھی نکلتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق کسی چیز کی اضافی رفتار جتنی تیز ہوتی جائے گی اس کا اضافی وقت اسی حساب سے تیزی سے سمٹتا جائے گا۔ اگر رفتار روشنی کی رفتار (اب تک معلوم سب سے تیز رفتار) کے برابر ہو جائے گی تو وقت 'صفر' ہو جائے گا یعنی بالکل ٹھہر جائے گا۔ اگر رفتار روشنی کی رفتار سے بھی آگے نکل جاتی ہے، تو وقت منفی ہو جائے یعنی مائنس (minus) میں چلا جائے گا۔ اس سے نظری طور سے سہی فخر موجودات، باعث تخلیق زمان و مکان کی معراج کی بات معقول حدوں میں آ جاتی ہے۔ ورنہ کچھ مسلمان اس رفتار کی تیزی اور وقت کے تیزی سے سمٹنے، ٹھہرنے اور پلس (+) سے مائنس (-) ہونے کی بات کی گہرائی سے گھبرا کر روحانی معراج کے معتقد ہو کے رہ گئے۔

بات نسبت کی ہو رہی، معراج تک پہنچ گئی۔ یہ مستحق بھی اس کی ہے۔ بہر حال نسبت کی اپنی اہمیت ہے، نسبت کی بات بڑی۔ جس سے نسبت ہو، اس کی عظمت و منزلت سے نسبت اتنی ہی بڑی اور اہم ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات اٹل، پکی، پتھر کی لکیر ہے کہ اصل میں ہر نسبت خدا سے حقیقی اور بنیادی ہوتی ہے۔ ورنہ اور ہر نسبت محض اعتباری مجازی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نسبت کی اہمیت کچھ کم نہیں ہوتی جیسے ہر تعریف اسی ذات مطلق تک پہنچتی ہے ویسے ہی ہر اعتباری نسبت کا سرا اسی لامکان و لامتناہی ہستی تک جاتا ہے۔ ہر وہ نسبت قابل قدر ہے جو بے جا، ناحق اور بے انصافی کی حدوں کو چھوئے بھی نہ۔

جہاں تک ماہ مبارک کا خدا کا مہینہ کہے جانے کا تعلق ہے، یہ خاص نسبت ہے سب مومنوں کو یہ خاص نسبت مبارک ہو، اس ماہ کی خاص برکتیں، سعادتیں، رحمتیں اور نعمتیں مبارک اور اس سے ملی عید سعید مبارک۔

م۔ر۔ عابد

# اثباتِ پردہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہاء میں فرمایا ہے:

لو ماتت امرأة وليس هناك الا الاجنبی قال علماء ونا تدفن بثیابها ولا یغسلها الا جنبی ولا یومئها التحريم النظر واللمس فی حال الحیوة فکذلک الموت۔

(یعنی) اگر کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور غیر مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو ہمارے علماء کا قول یہ ہے کہ اس کو کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ غیر مرد نہ اسے غسل دیں نہ تیمم کرائیں اس لئے کہ دیکھنا اور جسم کا چھونا غیر مرد کو زندگی میں بھی حرام تھا۔ اسی طرح موت کے بعد بھی حرام ہے۔

شہید اول رحمۃ اللہ نے لمعۃ دمشقیہ میں فرمایا ہے:-  
فان تعذر الکافر و الکافرة بتعلیم المسلم۔

”اگر عورت اور محرم کوئی موجود نہ ہو تو مسلمان عورت کی لاش کو کافر عورت غسل دے کسی مسلمان کی تعلیم سے“  
شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں:

والمراد هنا صورة الغسل ولا تعتبر فيه النية۔

”یہ حقیقت میں غسل نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ غسل کی صورت وجود میں آجائے اس میں نیت کا بھی اعتبار نہیں ہے“  
اپنی دوسری کتاب شرح ارشاد میں فرماتے ہیں:-

وحيث منعنا مباشرة الکافر او تعذر دفن الميت بثیابہ بغیر غسل ولا تیمم لاستلزامه

النظر اللمس المحرمین۔

”اگر ہم کہیں کہ غیر مسلم کو غسل دینا جائز نہیں ہے یا اتفاق سے غیر مسلم بھی عورت کوئی موجود نہ ہو تو میت کو اس کے کپڑوں سمیت بغیر غسل و تیمم کے دفن کر دینا چاہیے اس لئے کہ غسل اور تیمم دونوں میں نظر اور جسم کو چھونے کی ضرورت ہوگی جو دونوں حرام ہیں۔

(روض الجنان شرح ارشاد الاذہان مطبوعہ طہران، ص ۹۸)  
(ساتویں) اذان اور اقامت نماز کے لئے بڑا تاکید کی حکم ہے بلکہ متعدد علماء وجوب کے قائل ہیں مگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:-  
ولیس علی النساء اذان ولا اقامة لکثہن یتشهدن بالشہادتین عند وقت کل صلوٰۃ ولا یجہرن بہما لئلا یسمع اصواتہن الرجال ولو اذن واقمن علی الاخفات للصلوٰۃ لکن بذلك ما جورات ولم یکن بہ مازورات الا انہ لیس بواجب علیہن کو جو بہ علی الرجال۔

”عورتوں کو اذان و اقامت کا حکم نہیں ہے بس وہ ہر نماز کے وقت شہادتین زبان پر جاری کر لیا کریں اسے بھی بلند آواز سے نہ کہیں کہ مردوں تک ان کی صدا پہنچے اور اگر نماز میں آہستہ اذان دے لیں تو انہیں اس کا ثواب ملے گا گناہ نہیں ہوگا۔ مگر حکم تاکید ان کے لئے ویسا نہیں ہے جیسا مردوں کے لئے ہے۔“ (مقنعہ مطبوعہ طہران، ص ۲۵)



ابن ادریس نے سرائر میں فرمایا ہے:

ولیس علی النساء اذان ولا اقامة بل  
يشهدن الشهادتين بدلا من ذلك فان اذن  
واقمن كان افضل الا انهن لا يرفعن اصواتهن  
اكثر من اسماع انفسهن ولا يسمعن الرجال.

اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اذان اور اقامت  
عورتوں کے لئے نہیں ہے اور اگر دیں بھی تو اس طرح کہ مرد  
آواز نہ سنیں۔

محقق رحمہ اللہ نے بھی معتبر میں اس پر زور دیا ہے اور  
امام جعفر صادق کی حدیث نقل کی ہے:

عن المرأة تؤذن قال حسن ان فعلت ولا  
تؤذن للرجال لانها صوتها عورة

دریافت کیا گیا کہ عورت کو اذان دینا چاہیے؟ فرمایا اچھا  
ہے۔ اگر اذان دے مگر مردوں کو آواز نہ سنائے۔ اس لئے کہ  
اس کی آواز بھی عورت ہے یعنی چھپانے کی مستحق ہے۔

(معتبر، ص ۱۶۱)

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہاء میں فرمایا ہے:

لو اذنت للرجال لم يعتدوا به لانه عورة  
فالجهر منهي عنه.

”اگر مردوں کی جماعت کے لئے عورت اذان دے تو  
اسے کافی نہیں سمجھنا چاہیے اس لئے کہ وہ عورت ہے (یعنی پردہ  
اس کے لئے ضروری ہے) لہذا آواز بلند کرنے کی اسے  
ممانعت ہے اور ممانعت عبادت کو باطل کر دیتی ہے۔

شہید ثانی رحمہ اللہ مسالک میں فرماتے ہیں:

انما يشترط اسرارها حيث يستأزم الجهر  
سماع الرجل اما مع عدمه فتتخير بين  
السرو والجهر وان كان السر افضل.  
(یعنی آہستہ کہنے کی شرط عورت کے لئے اس وقت

ہے جب آواز بلند کرنے سے غیر مرد کے سننے کا اندیشہ ہو لیکن  
اگر کوئی غیر مرد سننے والا قریب موجود نہ ہو تو اختیار ہے بے شک  
آہستہ کہنا اس وقت میں بھی افضل ہے)

شہید ثانی رحمہ اللہ روض الجنان فی شرح ارشاد  
الاذہان (مطبوعہ طہران، ۲۳۹) میں فرماتے ہیں:

انما يستحب للمرأة بل يشرع اذالم تسمع  
اذانها واقامتها الرجال الا جانب فان سمعوا مع  
علمها حرم ولم يعتد به للنهي المفسد للعبادة.  
اذان واقامت کی مشروعیت عورت کے لئے اس وقت  
ہے جب اس کی اذان واقامت کو غیر مرد نہ سنیں اور اگر غیر مرد  
سن رہے ہوں اور اس کو علم ہو تو حرام ہے اور صحیح بھی نہیں ہے  
اس لئے کہ عبادت کا بطور ممنوع ہونا باعث بطلان ہے۔

(آٹھویں) نماز جماعت میں ضروری ہے کہ امام اور  
ماموم کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ مگر عورتوں کا پردہ وہ چیز  
ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے یہ حکم باقی نہیں رہا۔

وقد رخص للنساء ان يصلين مع  
الامام من وراء الحوائل.

(مبسوط، شیخ الطائفہ مطبوعہ طہران)

شرائع میں ہے۔ ولا تصح مع حائل بين  
الامام والماموم يمنع المشاهدة الا ان يكون  
الماموم امرأة. (مطبوعہ طہران، ص ۳۲)  
معتبر میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے فرماتے ہیں:

قال الشيخ لا يجزى ان يؤم المرأة من وراء  
الجدار ولعله استنادا الى رواية عمار عن ابي  
عبدالله قال سألته عن الرجل يصلي بالقوم  
وخلفه دار فيها نساء هل يصلين خلفه قال نعم  
قلت ان بينه وبينهن حائلا وطريقا قال لا  
باس ويؤيد ذلك ان المرأة عورة والجماعة عباداة

مهمة في نظر الشرع فيجمع لها بين الصيانة وتحصيل الفضيلة ويستوى في ذلك الحسناء والشرها والشابة والمسننة.

یعنی شیخ طوسی نے کہا ہے کہ عورت دیوار کے پیچھے سے جماعت میں شریک ہو سکتی ہے۔ غالباً اس کا مستند عمار کی روایت ہے۔ امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پیچھے ایک مکان ہو جس میں عورتیں ہیں تو یہ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہیں۔ سائل نے کہا اس مرد اور ان عورتوں کے بیچ میں دیوار ہے اور راستہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ مویداً حکم کے یہ ہے کہ صنف نسواں عورت ہے (یعنی پردہ اس کے لئے ضروری ہے) اور نظر شارع میں نماز جماعت ایک اہم عبادت ہے لہذا ایسی صورت نکالی گئی کہ پردہ کہ پابندی بھی ہو اور فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عورت خوب صورت ہے یا بد صورت اور جوان ہے یا سن رسیدہ

(معتبر مطبوعہ طہران، ۴۳۹)

علامہ حلیؒ نے بھی تذکرۃ الفقہاء میں یہی مضمون درج فرمایا ہے:

اتنے نظائر ہمارے اس دعوے کے اثبات میں کافی ہیں کہ جب دوسرے قوانین شرع اور پردہ کے قانون سے متصادم ہوں تو پردہ کا حکم دوسرے قوانین پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یہ اسلامی نقطہ نظر سے پردہ کی اہمیت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔  
پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟

عزیز اور قابل حفاظت شے کا تحفظ ضروری ہے خطرات کے ہوتے ہوئے امکانی حدود تک ان خطرات سے بچنے کی کوشش مستحسن ہے جو طریق کار ممکن درجہ تک خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو اس کا اختیار کرنا عقلاً پسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا امور میں سے کوئی ایک امر بھی غالباً شک و شبہ کی آماجگاہ بننے کے قابل نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ دیکھئے کہ عزت و شرف ناموس قابل حفاظت چیز ہے یا نہیں۔ پردہ کی پہلی قسم میں اخلاقی حجاب کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہندو پاکستان کا فکر و خیال ابھی تک اس نقطہ تک نہیں پہنچا ہے کہ وہ عزت ناموس کو قابل قدر اور لائق حفاظت نہ سمجھے۔ اس پر بہر حال سب متفق ہیں اور مشرقی مزاج طبیعت ابھی تک اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا اس لئے اس پر بحث و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

یہ عزت ناموس کی دولت خطرات کا مرکز ہے یا نہیں بالکل ظاہر ہے جذبہ نسوانی اور طبیعت مردانہ بقول شخصے مقناطیس و آهن ہے یا آتش و خرمن۔

سید باقر صاحب قبلہ کے ایسے بے نفس ملکوتی صفات انسان نے اپنی کتاب میں تائیدی حیثیت سے بار بار شاعر عرب کا یہ قول دوہرایا ہے:-

ان من لم يعشق الوجه الحسن  
قرب الرجل اليه والرسن  
جوحسين چہرہ کو دیکھ کر دل دادہ نہ ہو جائے وہ آدمی نہیں  
جانور سمجھے جانے کا مستحق ہے۔

مقصد بظاہر یہ ہے کہ شعور حسن اور تاثر کا ہونا انسانی ادراک کا لازمہ ہے یہ اور بات ہے کہ بلند نظر پابند آئین قدسی صفت انسان اس احساس کو فرض شناسی کے بار سے دبا کر عمل کی منزل میں جذبات کو کارفرما نہیں ہونے دیتا مگر ایسے قدسی صفت انسان دنیا میں کتنے ہیں۔ دنیا جیسے انسانوں سے بھری پڑی ہے تو وہ وہی ہیں جن میں قوت شعور و تاثر موجود ہے اور ضبط نفس کی قوت مفقود ہے ایسی حالت میں خطرات کا اندیشہ قطعی ہے۔

پردہ ان خطرات سے بچنے کا امکانی ذریعہ ہے۔ اس لئے عقلاً اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

نظیریں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ضروری کاغذات بکس میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ جواہرات صندوقوں میں مقفل کئے جاتے ہیں۔ زرنقد کے لئے تجوریاں بنائی گئی ہیں جہاں انھیں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

سوتے وقت گھروں کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں بینک کے دروازہ پر قفل کے ساتھ ساتھ پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں۔

حکام اعلیٰ جن کی حفاظت بھی زیادہ ضروری اور جن کے دشمن بھی بکثرت ہوتے ہیں ان کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور وہ بلا ضرورت مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے جتنی زیادہ عزیز ہو جتنے انسان اس کے طالب ہوں اور جتنے اس کے لئے خطرات ہوں اتنا ہی اس کے لئے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ اب متاع گرامیہ عزت و شرافت کے متعلق اپنے پیمانہ نگاہ کا اندازہ کر لیجئے کہ وہ آپ کے نزدیک کس قدر قیمتی ہے۔ اگر ضروری کاغذات سے زیادہ قیمتی نظر آئے۔ اگر روپیہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہو اگر آپ کے اثاثہ البیت اور ہر مال و متاع سے بڑھ کر اس کی عزت محسوس ہو بلکہ اکثر شرفاء کی نگاہ میں جان سے زیادہ عزیز معلوم ہو تو پھر اس کی حفاظت میں اتنا ہی زیادہ انہماک بھی صرف کرنا ہوگا اور اس صورت میں پردہ کو ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک مقتضی کا موجود ہونا دوسرے موانع کا مفقود ہونا۔

پردہ کے متعلق مقتضی کے ثبوت کے لئے اتنا بیان کافی

ہے رہ گیا موانع کا برطرف ہونا اس کے لئے ضرورت ہے کہ پردہ کے خلاف جو پہلو پیش کئے جاتے ہیں ان کا ایک ایک کر کے تذکرہ کیا جائے اور انہیں رد کیا جائے۔ جب وہ رد ہو جائیں گے تو پھر پردہ کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

### پہلا اعتراض

طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی تمنا ہوتی ہے۔ اس مضمون کی عربی کی مثل مشہور ہے۔ الانسان حریص علی مامنع

اس لحاظ سے پردہ کا نظام خود ہوس کے بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اگر پردہ اٹھایا جائے تو ہوس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

### جواب

پردہ یعنی نقاب یا برقع اٹھانے کے بعد بھی صنفی معاشرت میں کسی نقطہ پر تو ہمارے مشرق کے آزاد خیال مصلحین بھی پابندی عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یعنی بالکل مطلق اور بلا قید اختلاط جنسی کی آزادی دینے کے وہ بھی حامی نہیں ہیں اور جب کہ یہ اصول ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی ہوس ہوتی ہے۔ تو موجودہ حالت میں جب کہ پردہ کی پابندی ہے اور چہرہ پر نقاب ہے تو ابتدائی مرکز تمنا صرف چہرہ کا دیدار ہو جاتا ہے اور بہت سے خوش قسمت وہ ہوں گے جو رخ کی ایک جھلکی ہی پر اپنے کو کامیاب سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر چہرہ کی نقاب کو اٹھا دیا جائے اور برقع کی پابندی نہ رہے لیکن اس کے بعد کی منزلوں میں معاشرتی پابندیاں قائم رہیں تو اس صورت میں تیر ہوس کا پہلا نشانہ وہی ہوگا جس سے دامن عفت بالکل تار تار نظر آئے۔ یوں سمجھئے یہ چہرہ کی نقاب ایک قلعہ ہے جس سے ہوس کے تیر ٹکڑا ٹکڑا کر گر جاتے ہیں اور نگاہ ہوس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر نقاب نہ ہو اور اس کے بعد ہوس کی ناوک



افغانی جاری رہے تو پھر براہ راست خطرہ کا مرکز سرمایہ آبرو ہی ہوگا۔ جس کا تحفظ شرفاء جان سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

### دوسرا اعتراض

اگر پردہ اٹھنے کی صورت میں وہ خطرات صحیح سمجھے جائیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو چاہیے کہ یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے اس قسم کے شرمناک واقعات بکثرت واقع ہوں حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندوستان میں ایسے شرمناک واقعات آئے دن ہوا کرتے ہیں اور اخباروں تک میں شائع ہو جاتے ہیں جب کہ یورپ کے اخبارات ایسے اطلاعات سے خالی ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں اخلاقی نقصانات کا تصور ایک تو ہم ہے اس میں حقیقت نہیں ہے۔

### جواب

ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے گوش زد اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور شاذ و نادر حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جب کہیں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس کا چرچا بھی ہوتا ہے۔ اور اخباروں میں بھی اشاعت ہوتی ہے لیکن یورپ میں اس طرح کے واقعات اتنے عام اور کثیر الوقوع ہو گئے ہیں کہ ان کے بیان کرنے اور سننے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ اس لئے نہ ان کا چرچا ہوتا ہے اور نہ اخباروں میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اخباروں میں تو وہی چیز شائع ہوتی ہے جس میں کوئی ندرت ہو۔

ایک مرتبہ ایک اخبار میں میں نے ”اخبار کے لائق خبر“ کا معیار پڑھا ہے اس میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کتا کسی آدمی کو کاٹ کھائے تو یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو اخبار میں شائع ہو لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتے کو کاٹ لے تو یہ اخبار میں شائع ہونے کی خبر ہوگی۔

بس اب سمجھ لیجئے کہ ہندوستان میں اس طرح کی بد

اخلاقی کے شرمناک واقعات ابھی تک ایسے ہیں جیسے آدمی کتے کو کاٹے اس لئے ان کی اشاعت ہوتی ہے اور یورپ میں اس طرح کے واقعات کی حیثیت وہی ہے جیسے کتا آدمی کو کاٹے اس لئے ان کی اشاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر بھی مردم شمار یوں اور ناجائز پیدائشوں کے اعداد سے اس ہولناک تمدنی بربادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو یورپ میں بے پردگی کے نتائج میں ہو چکی ہے اور ہونے والی ہے۔ جس سے ہندوستان و پاکستان اب تک خدا کے فضل سے صرف پردہ کی بدولت محفوظ ہیں۔ اللہ ان کو یوں ہی محفوظ رکھے۔

### تیسرا اعتراض

اگر پردہ ان خطرات سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہوتا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تو ان گھرانوں میں جہاں پردہ کی پابندی ہے اس قسم کے شرمناک واقعے کبھی ظہور میں نہ آتے۔ حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ تو پھر پردہ سے کیا فائدہ ہے۔

### جواب

ہمارے ان گھرانوں میں جہاں پردہ کا رواج ہے اکثر و بیشتر پردہ کی پابندی ان اصول کے ساتھ ہوئی نہیں جو شرع نے مقرر کئے۔ شرع نے محرم اور نامحرم کے حدود جو مقرر کئے تھے ان کے برخلاف رواجی طور پر محرم و نامحرم خود مقرر کئے گئے ہیں۔ مثلاً شریعت نے بھائی کو محرم قرار دیا تھا۔ بھائی کے معنی تھے اپنے باپ اور ماں کی اولاد۔ سگے چچا کا بیٹا تک شرعاً ابن العم اور ابن الخال ہے۔ بھائی نہیں ہے مگر ہندوستانی تمدن نے بھائی کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا۔ یوں ہی ماموں۔ اپنے حقیقی نانا اور نانی کی اولاد۔ چچا اپنے حقیقی دادا اور دادی کی اولاد کو کہتے ہیں۔

یہاں رشتہ کے ماموں اور رشتہ کے چچا کو لے کے

کہ ہم پردہ داری میں شریعت کے پابند ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں وہ پردہ کو بحیثیت فریضہ شرعی کے ان حدود کے ساتھ انجام ہی نہیں دیتے بلکہ رواجی طور پر اپنے رسم و رواج کے اصول و قواعد کے ساتھ اس پر عمل درآمد رکھتے ہیں۔

شرفا کے گھرانوں میں کبھی کبھار جو اس قسم کے واقعات ہوئے یا خدانخواستہ ہوں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اکثر ایسے ہی اشخاص کی بدولت جنہیں شریعت نے محرم قرار نہیں دیا ہے۔ مگر رسم و رواج میں انہیں پردہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور اس لئے وہ خراب نتائج پیدا ہوئے اور اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اس محدود دائرہ میں بے پردگی ہوگی وہ کیسے خراب نتائج پیدا کر سکے گی۔

### چوتھا اعتراض

پردہ نوع انسانی کے نصف جسد کو بے کار و معطل بنادیتا ہے اور کش مکش حیات میں حصہ لینے سے مانع ہے۔

### جواب

کارآمد ہونا ہر شے کا اپنے اعتبار سے ہوتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ زندگی کے کام وہی ہیں جنہیں مرد انجام دیتا ہے تو چونکہ عورت پردہ کی وجہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیتی تو یہ سمجھا جاسکے گا کہ وہ بیکار ہوگئی مگر یاد رکھنا چاہیے کہ نظام حیات کا کارخانہ بہت وسیع ہے جس کے کچھ کل پرزے اوپر کام کرتے ہیں اور کچھ اندر کام کرتے ہیں اور سب کی شرکت سے اس نظام حیات کی تکمیل ہوتی ہے۔

عورت اور مرد میں فطری حیثیت سے تفرقہ ہے اور بہت سے کام تعمیر نوع کے عورت کے ذمہ ایسے ہیں جن میں مرد اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ تو کیوں نہ مرد کے ذمے بھی کچھ فرائض ایسے ہوں جن میں عورت حصہ نہ لے سکے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت بیکار ہوگئی بلکہ تقسیم عمل کے ساتھ ہر ایک صنف اپنے شعبہ میں با کار رہتی ہے۔

مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی گئی۔ کسی سے پوچھئے یہ آپ کے کون ہیں۔ پہلی مرتبہ جواب مل جائے گا۔ بھائی یا چچا یا ماموں یا دادا یا نانا۔ اب اگر دہرا کے آپ ذرا تحقیق طلب انداز سے پوچھ لیجئے آپ کے بھائی ہیں؟ یا آپ کے چچا ہیں؟ یا آپ کے نانا ہیں؟ وغیرہ۔ تو اکثر یہ جواب ملے گا کہ جی ہاں بھائی ہوتے ہیں۔ چچا ہوتے ہیں یا نانا ہوتے ہیں۔ اس ہوتے ہیں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یعنی بھائی ہیں نہیں۔ چچا ہیں نہیں۔ ماموں ہیں نہیں۔ بلکہ کسی دور کے ذریعہ سے رشتے لگا کر بھائی، چچا، ماموں بنائے گئے ہیں۔ بھائی ہیں یعنی دادا کے چچا زاد بھائی کے مثلاً پوتے ہیں۔ ماموں ہیں۔ یعنی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ چچا ہیں یعنی والد کے چچا زاد بھائی ہیں۔ دادا ہیں یعنی دادا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ نانا ہیں یعنی نانا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

یہ تو قریب کے رشتوں کا درجہ ہے اور اس کے آگے پھر اضافتوں کی کثرت سے حدود میں آگے بھی وسعت ہوتی ہے۔ پھر یہ تو نسبی رشتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے لئے بہنوئی، جیٹھ، دیور، سب ہی محرم بنا دیئے گئے ہیں بڑا بہنوئی اور جیٹھ بڑے بھائی اور زیادہ سن کے تفاوت میں باپ کے برابر اور چھوٹا بہنوئی اور دیور چھوٹے بھائی یا بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

ان رشتوں کے ساتھ پردہ کو غیریت کا مظاہرہ قرار دے کر برا سمجھا جاتا ہے۔ پھر اکثر رؤسا اور نوابین کے یہاں تو گھر بہشتی، گھر کا ملازم، گھر کی پرانی ماما کا گھر میں پلا ہوا بچہ جواب بڑا بھی ہو گیا ہو۔ انا کا ذکر نہیں جس کا بیٹا مخصوص شرائط کے ساتھ شرعاً برادر رضاعی قرار پاتا ہے۔ لیکن کھلائی کالڑ کا بھی بچپن میں پڑھانے والا مولوی، میاں جی اور ماسٹر یہ سب ہی پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ غرض یہ کہ محرم اور نامحرم کی تفریق میں شرع کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور پھر سمجھتے ہیں

اسلام جو نبض شناس فطرت بشری ہے اس نے عورت اور مرد کی فطرت کے تفرقہ کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل سے کام لیا ہے۔ اس تقسیم عمل کو پیغمبر اسلام کی گود کے پلے ہوئے مرد اور عورت حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام نے عملی طور پر دکھلادیا۔ باغوں میں جانا۔ کنوئیں سے پانی کھینچنا۔ آب کشی کرنا حضرت علی بن ابی طالب کا کام اور گھر میں سوت کا تنا چرچہ چلانا۔ چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا حضرت فاطمہ زہرا کا کام۔ ظاہر ہے کہ دونوں فردیں کش مکش حیات میں مصروف عمل ہیں مگر گھر کے باہر کے کام مرد سے متعلق ہیں۔ اور گھر کے اندر کے کام عورت سے متعلق ہیں۔ انتظام خانہ داری عورت سے متعلق اور تحصیل معاش کا بار مرد کے سر۔ دونوں صفتوں کے خصوصیات طبیعت جو قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں۔ وہ بھی اسی کے متقاضی ہیں۔ انتظام و تدبیر کا تعلق قوت خیال کے ساتھ ہے جو نفسیاتی طور پر عورت میں غالب ہیں اور تحصیل معاش کا تعلق قوت جسمانی اور جوش عمل کے ساتھ ہے جو مرد میں فراوان ہے۔ اسی طرح طاقت کا غلبہ اور تحفظ اقتدار کی صلاحیت مرد میں زیادہ ہے اس لئے اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا اور اعلان کیا کہ الرجال قوامون علی النساء۔

آج کا مرد جو کش مکش حیات کے میدان میں عورت کو اپنے دوش بدوش بلانا چاہتا ہے یہ حقیقتہً اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ ہے جب خود اکیلا اس وقت کے معاشی مشکلات میں ناکارہ ثابت ہو رہا ہے تو عورت کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔ حالاں کہ ابھی جبکہ میدان مقابلہ میں صرف مرد ہیں۔ تب تو بہت سے مردوں کو قدم ٹکانے کی جگہ نہیں ملتی اور اگر کہیں اس میدان میں عورتیں بھی آگئیں تب کیا عالم ہوگا اور مرد کس کام کے رہیں گے اور پھر جو عورت کے فرائض خاص اور خانہ داری کی ذمہ داریاں ہیں ان میں بھی کمی ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ

عورت اپنی نسوانیت کے شعبہ میں بے کار اور مرد اپنے مردانہ جدوجہد کے شعبہ میں بے کار۔ وہ گھروں کے بجائے محکموں اور کارخانوں کے بجائے ٹھیکڑوں اور سنیماؤں میں فرصت کے اوقات میں دونوں ہی بجائے زینت کا شانہ ہونے کے زیب تماشا گاہ کبھی محو تماشا اور کبھی خود تماشا۔

گھر بار نوکروں پر اور بچے بھی نوکروں پر۔ یہ ہے سچی تصویر اس موجودہ تمدن کی جس میں گھر برباد ہوتے ہیں اور سیرگا ہیں آباد ہوتی ہیں۔

نہ مرد ہی کام کے رہتے ہیں اور نہ عورتیں ہی حقیقت میں کام کی رہتی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہمارا پردہ کا نظام ہے جس میں بقول مخالف آدھی صنف انسانوں کی بے کار رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے شعبوں میں باکار ہیں اور مساوی طور پر تقسیم عمل کے ساتھ کش مکش حیات میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

### پانچواں اعتراض

پردہ عورتوں کو تعلیم و ترقی کے حصول سے مانع ہے۔

### جواب

تعلیم کے معنی مطلق حصول علم کے لیے جائیں اور علم سے مراد فائدہ رساں علم مراد لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ عورتوں کو ایسا علم حاصل کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اگر تعلیم سے مراد صرف کالج اور یونیورسٹی کے علوم متعارفانہ اور ان کی ڈگریاں ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس حصول میں دشواری سمجھی جاسکتی ہے مگر طبقہ نسواں کے لیے ان علوم کی افادیت بڑی حد تک قابل بحث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ پردہ حصول ترقی میں مانع ہے ہر طبقہ اور ہر صنف کی ترقی یہ ہے کہ اپنے خصوصیات کے اندر ترقی کرے۔

مثال کے طور پر ایک بڑھئی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ



کسی درس گاہ کالج اور معاذ اللہ سیر گاہ کا کیا تذکرہ ہو سکتا ہے حضرت سیدہ عالمہؓ تو کبھی اپنے والد بزرگوار کے موعظہ میں آکر نہیں شریک ہوئیں۔ حالانکہ بیت الشرف مسجد رسولؐ سے متصل تھا اور صحن مسجد میں دروازہ تھا۔ کیا آپ کو اپنے مقدس باپ کے موعظہ سے استفادہ کا اشتیاق نہ تھا۔ ضرور تھا اور اس کا نتیجہ ہے کہ جب بڑا شاہزادہ حسن مجتبیٰ مسجد سے واپس ہوتا تھا تو سیدہ عالمہؓ پوچھ لیتی تھیں کہ پدر بزرگوار نے آج موعظہ میں کیا بیان کیا اور حسنؑ بیان کر دیا کرتے تھے۔

اس طرح سیدہ عالمہؓ نے بتا دیا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنے بیٹے سے مدد لے لو مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالو۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بھی جو علمی کمال تھا وہ اپنی مادرِ گرامی کی آغوشِ تعلیم اور بھائیوں کی معصومانہ تربیت کے سوا کسی انسان کا ربینِ منت نہ تھا۔ خالق کا فیضِ فطرت اس کے علاوہ ہے۔

نسوانی ترقی کے معیار کو سیدہ عالمہؓ اور ان محذرات نے دنیا کے سامنے واضح کر دیا ہے اور وہی عقلی نقطہ نظر سے بھی ترقی کا حقیقی معیار ہے۔

مرد اور عورت جب کہ مزاج طبعی میں الگ الگ ہیں تو مرد جن فنون میں پایہ ترقی تک پہنچتا ہے ان فنون کے اعتبار سے عورت کی ترقی کو جانچنا فطرتِ نسوانی پر ایک ظلم اور اس کی توہین ہے اور اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے گا تو عورت کبھی مرد کے حدود تک پہنچنے نظر ہی نہیں آئے گی خواہ پردہ ہو اور خواہ پردہ نہ ہو۔ مشاہدہ اس کا قطعی گواہ ہے۔

ممکن ہے میری یہ صاف بیانی محترم خواتین کے لئے وقتی طور پر ناگوار ہو مگر میرے نزدیک اس میں ان کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ ان کے جوہرِ فطری کی خصوصیت کا اظہار ہے جس میں مردان کے ساتھ حصہ نہیں رکھتا اور یہ فطرت کا ایک عدل ہے کہ اس نے ہر ایک مخصوص جوہر ذاتی کے اعتبار سے

وہ شاعری اچھی کرنے لگے۔ ایک شاعر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ مریضوں کا علاج اچھا کرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اچھے سینے لگے۔ ایک درزی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ منطقی مسائل پر بحث اچھی کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شعبہ کے ماہر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شعبے میں زیادہ ماہر ہو جائے۔ یونہی مرد اور عورت جو دو صنفیں ہیں ان میں جس طرح مرد کی یہ ترقی نہیں ہے کہ وہ نسوانی اوصاف قبول کرے اسی طرح عورت کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ ہر فن جس میں مرد اس وقت مہارت رکھتے ہیں اس کو حاصل کر کے خود اس میں مہارت کی دعوے دار ہو جائے بلکہ مرد کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر مرد بنے اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر عورت بنے۔ موجودہ تعلیم و ترقی میں عورتوں کے لئے سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو جغرافیہ، سائنس، منطق، فلسفہ قانون۔ تاریخ، ادب، علم الحیوانات، علم النباتات، علم النفس، فنِ طبیعیات، فنِ اقتصادیات، فنِ سیاسیات سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر اچھی عورت بننا ہی نہیں سکھاتی اور یہی اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور اس کی تعلیم کے لئے پردہ مانع نہیں بلکہ معاون ہے۔

پھر اس تعلیم کے حصول کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھانا ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ ان کے سکھانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ باپ اپنی لڑکی کو بھائی اپنی بہن کو تعلیم دے سکتا ہے بلکہ سیدہ عالمہؓ نے دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ ضرورت ہو تو بیٹے سے ماں اپنے معلومات کے حصول میں مدد لے سکتی ہے۔ حالانکہ سیدہ عالمہؓ قدرت کی جانب سے جو ہر علم سے مالا مال کی گئی تھیں۔ مگر آج چونکہ سیدہ عالمہؓ کے علمی کمال یا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کمال علم و فضل سے عورتوں کی تعلیم پر غلط طور سے استدلال کیا جاتا ہے اس لئے یہ بھی تو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ طریقہ اس کا کیا بتایا گیا ہے۔

فرائض سپرد کئے ہیں۔

والیوں میں بہت سی فردیں نظر آئیں گی اور اگر علوم و فنون کے شعبوں میں نام سنائی دے تو افسانہ نگار اخبار نویس اور شاعری کے ایسے لطیف ادب کے شعبوں میں وہ بھی مردوں کے برابر نہیں تو پھر سچائی کے ساتھ فطرت کے رب کی بارگاہ میں سرخم کر دیجئے۔ اس تفریق کو مانتے ہوئے جو اس نے عورت کے درمیان رکھ دی ہے اور پیشانی جھکا دیجئے پیغمبر فطرت کے اس ارشاد کے سامنے کہ

المراة ریحانة وليست بقهر مانة۔

”عورت پھولوں کا گلاستہ ہے، طاقت و قوت کا

مجسمہ نہیں ہے۔“

یہ ارشاد جو دونوں کے اختلاف فطرت کے ساتھ اختلاف فرائض کا پتہ دے رہا ہے جس اختلاف پر تقسیم عمل کے قانون کی بنیاد قائم ہے۔ جس قانون سے بغاوت لفظی کے طور پر صدائے بے ہنگام کے طور پر زبان سے ہوتی رہے مگر عملی دنیا میں نہ کامیاب ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

### چھٹا اعتراض

اچھے بچے اچھی ماؤں ہی کی گود میں پل کر بڑھ سکتے ہیں۔ جب مائیں جاہل تو ہم پرست اور کوتاہ نظر ہوں گی تو بچوں میں علمی اور نظری بلندیوں کا پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔

### جواب

اصل اصول مسلم ہے بے شک اچھے بچے اچھی ماں ہی کی گود میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر شرط یہی ہے کہ اچھی ماں ہو اور بچہ کو اپنی گود میں پناہ دینے کا وقت بھی رکھتی ہو۔

موجودہ تعلیم و تمدن میں تو خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو بقدر صلاحیت جغرافیہ داں، سائنس داں، تاریخ داں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بنا سکتی ہے مگر اچھی ماں نہیں بنا سکتی اور نہ اسے بچوں کی تربیت کی طرف متوجہ رکھ سکتی ہے۔ بچہ کی جائے پناہ ملازم یا ملازمہ کی گود اور اس کی نگرانی رہ جاتی ہے اور ماں بس

وہ صاف بیانی جس میں تلخی محسوس ہونے کا اندیشہ ہو رہا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کو جانے دیجئے جس میں عورتیں بیچاری بقول شخصے زندہ درگور یعنی پردہ میں مقید ہیں۔ ایران اور عراق میں بھی کہہ دیجئے کہ عورتیں چار دیواری میں قید نہ سہی پھر بھی برقع و نقاب کے شکنجہ میں اسیر ہیں مگر یورپ میں تو صدیوں سے پردہ اٹھ چکا ہے اس کے باوجود اعداد و شمار سے مجھے بتائیے کہ مدبرین عالم میں عورتیں کتنی ہوئیں اور اس وقت کتنی موجود ہیں۔

یہ ہزاروں ایجادیں جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں ان کے موجدین میں عورتیں کتنی ہیں؟

جو ہزاروں انکشافات ہوئے اور ہو رہے ہیں ان انکشافات کرنے والوں میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے؟

اس وقت اور اس کے پہلے کے فوجی افسروں اور ماہرین حرب میں عورتیں کتنی ہیں بڑے بڑے عدالتی محکموں کے افسروں میں اور ماہرین قانون میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

مختلف علوم و فنون کے مصنفین میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

اگر آپ کو اتنی صدیوں کی بے پردگی اور تعلیمی آزادی کے بعد ان تمام شعبوں میں عورتوں کا درجہ نقطہ کے برابر نظر آئے اور آپ یہ دیکھیں کہ اس بے پردگی کے ماحول میں عورت نے ان علوم و فنون میں مرد کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی قابل لحاظ ترقی نہیں کی ہے اس کے برخلاف سینما کے ایکٹریوں میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آئیں گے۔ حسن کے مقابلہ میں ملکہ حسن بننے کی کوشش کرنے والی یا یہ لقب حاصل کر لینے والیوں کی فہرست میں بہت نام نظر آئیں گے۔ اسپتالوں اور شفا خانوں میں مرہم پٹی اور تیمارداری کرنے

کسی کسی وقت تفریحاً بچہ کے ساتھ اظہار محبت کرے تو کر دے عملی طور پر اس کی تربیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اس کا نتیجہ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ناموں کی تصریح کے ساتھ پیش کرنا ممکن ہے کچھ ”آگینوں“ کو ٹھیس لگنے کا سبب بن جائے مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک ہماری قوم کے مایہ ناز فرزند جن میں سے بعض ہوائے تجدد میں پرواز کرتے ہوئے خود اس وقت پردہ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور اسی طرح کے دلائل پیش کر رہے ہیں جن پر تبصرہ ان سطور میں مد نظر ہے۔ ہاں ہاں بے شک یہ ہماری قوم کے سرمایہ فخر فرزند جو اپنے دماغی اور عملی کارناموں کی بدولت آسمان تمدن پر سورج بن کر چمکتے ہیں۔ خود پردہ دار اور قدیم تمدن کی پابند ماؤں کی گود میں پل کر پروان چڑھے ہیں جب کہ ان کی اولاد جو ہرگز اپنے بزرگوں کے درجہ پر نہیں پہنچ سکی بے پردہ دار ماؤں کا نتیجہ پرورش سے ہمارے یہ ”مصلحین“ اگر خود اپنی آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ کی پابندی کے ساتھ تھی اور اپنی اولاد کے آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ سے آزاد ہے۔ ایک عبرت پذیر توجہ کے ساتھ غور فرمائیں تو پردہ کے خلاف اپنے استدلال کی کمزوری کا خود انھیں اندازہ ہو سکتا ہے۔

### ساتواں اعتراض

پردہ سے عورت کی توہین و تذلیل ہوتی ہے اور یہ بڑی نا انصافی ہے کہ مردوں کو تو پردہ کا حکم نہ دیا جائے اور عورتوں کو پردہ میں قید رکھا جائے۔

### جواب

جنس عزیز کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ پردہ میں رکھی جاتی ہے توہین کا تخیل اس میں نہایت عجیب ہے۔ بلکہ اگر کوئی توہین کا اس میں پہلو ہو سکتا ہے تو مرد کے لئے کیونکہ حفاظت اسی سے کی جاتی ہے جس پر اعتماد و اطمینان نہ ہو۔

مثال کے طور پر اپنے ضروری کاغذات یا نقد و جواہرات کا کوئی صندوقچہ کھولے ہوئے دیکھ رہے ہوں اور کوئی آپ کا سمجھا بوجھا ہوا دوست آجائے تو آپ بدستور صندوقچہ کھلا ہوا چھوڑ کر اس سے گفتگو میں مصروف ہو جائیں گے لیکن ذرا کوئی مشکوک آدمی آگیا اور آپ فوراً صندوقچہ کو مقفل کر دیتے ہیں۔ یہ اس شخص کو دیکھتے ہی صندوقچہ کو مقفل کر دینا اس شخص کی ایک طرح سبکی کا باعث ہو سکتا ہے۔ جس کے آنے پر حفاظت ضروری سمجھی گئی ہے یوں ہی سمجھ لیجئے کہ فطرت شناس دین اسلام کو عورت کی سلامت روی پر اعتماد و اطمینان تھا کہ تحریک خیانت طبعاً عورت کی جانب سے نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے مرد کا حسن اگر بے پردہ رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن مرد کی نیک دلی پر اسلام نے اعتماد و اطمینان نہیں کیا۔

اس لئے عورت کو پردہ میں رکھا گیا۔ تاکہ اس کی دولت حسن و آبرو دست برد و غارت گری سے محفوظ رہے۔ اسی لئے عورتوں کا پردہ خود عورتوں کو اتنا بار نہیں جتنا آج کل کے ”غیور و خوددار مردوں کو بار ہے۔“

کاش عورت نے بطور خود پردہ پر احتجاج کیا ہوتا تو اس میں خلوص اور ذاتی تاثر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے پردہ پر احتجاج مردوں نے شروع کیا۔ برانہ مانا جائے تو کہوں کہ یہ احتجاج ایسا ہے جیسے تمام دنیا کے چور اور ڈاکو مجتمع طور پر کانفرنس منعقد کریں اور اس پر احتجاج کریں کہ راتوں کو گھروں کے دروازے بند کیوں ہوتے ہیں؟ صندوقوں اور تجوریوں میں قفل کیوں لگائے جاتے ہیں اور بینکوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ ایسے احتجاج کی وقعت معلوم ہے۔

یہ ضرور ہے کہ شاطر مرد اس احتجاج میں عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں اور اس لئے دھوکے میں آکر بعض عورتیں بھی ان کی آواز میں آواز ملا دیتی ہیں۔ مگر



## جواب

انسانی نظام زندگی میں منفعت اور مضرت کے پہلو تقریباً ہر چیز میں ہیں ایک کسان دن بھر دھوپ میں بل جوتا ہے یقیناً دھوپ میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہنا صحت کے لئے مفید نہیں ہے بہت مضر ہے مگر اس حفظانِ صحت کی خاطر یہ حکم لگا دیجئے کہ کاشتکاری نہ کی جائے تو کیا انجام ہوگا۔ ریلوے انجنوں کے ڈرائیور ہر وقت کوئلہ پھالتے اور دھوئیں سے دوچار رہتے ہیں اس کے مضر صحت ہونے میں کیا شبہ مگر یہ فتویٰ نہیں دیا جاسکتا کہ ریلیں چلانا موقوف۔

جن شہروں میں مل (کارخانے) ہیں وہاں کی آب و ہوا عموماً خراب ہوتی ہے۔ یہ ملوں کا دھواں اور اس کے اندر کے ذرات جو شہریوں کے جگر اور پھیپھڑوں تک پہنچتے ہیں بڑے خراب اثرات پیدا کرتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب مل بند کر دیئے جائیں ایسا بھی نہیں کہ ان تمام مضر صحت اثرات کے اندر رہنے والے سب اثر قبول ہی کر لیتے ہوں۔ قدرت کی طرف سے ایک مضر چیز کے اثر کو زائل کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا مصلح چیزیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر اشخاص زندہ بھی رہتے ہیں اور نہیں متاثر ہوتے۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پردہ حفظانِ صحت کے لئے مضر ہے تو اس کی وجہ سے وہ ضرورت نظر انداز نہیں کی جاسکتی جو پردہ کے قیام کی متقاضی ہے۔

بے شک پردہ کے حدود کے اندر جہاں تک ممکن ہو ان مضر اثرات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے مثلاً صاحبانِ دولت اگر خود اپنی پردہ دار کٹھی کے گرد ایک وسیع احاطہ کو زنان خانہ سے مخصوص کر دیں تو روشنی اور تازہ ہوا سے عورتیں تمتع ہو سکتی ہیں۔ پھر شرعی پردہ کی واجب مقدار کے ساتھ باپ بھائی یا عزیزوں کی نگرانی میں اگر کسی باہر کے اپنے باغ یا کھیتوں میں وہ تفریح بھی کرنا چاہیں تو شریعت دامن پکڑ

طاقت و رفد یا جماعت کی ہمیشہ اور بالخصوص موجودہ دور میں جو سیاست کا دور ہے ایک ادایہ رہی ہے کہ وہ کمزور کا ہمدرد بن کر اسے لوٹے۔ آج تو جو بھی طاقت کسی ملک پر حملہ کرتی ہے وہ اس ملک کی بہبودی کے لئے حملہ آور ہوتی ہے اور جو فاتح کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے وہ اس ملک والوں کی نابالغی کی بنا پر بحیثیت ولی اس کا سرپرست ہی ہو کر قابض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد نے عورت کو ہمیشہ کھلونا بنائے رکھا اور اپنی مطلب برآری کے لئے کبھی اس کی قدر و قیمت کا لحاظ نہ کیا۔ یہ صرف مذہب تھا جو کمزوروں کا حقیقی محافظ ہے اور جس نے کمزور سمجھ کر ہی عورت کو مرد کے دستِ تپاؤں سے بچانے کے لئے پردہ کے قلعہ میں محفوظ کیا جسے آج کل کا آزادی پسند مرد مذہبی قیود سے آزادی کی عام خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صنفِ نازک کا ہمدرد بنکر ڈھانا چاہتا ہے۔ اور نسوانی عزت کو صنفِ طاقتور کی عام غارتگری کی آماجگاہ بنا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلام نے پردہ کا جو حکم دیا ہے وہ اگر کسی توہین پر مبنی ہوتا تو جن عورتوں کی عزت مذہبی طور پر زیادہ کرنا اسلام کا نصب العین تھا ان کے لئے پردہ میں کمی ہوتی لیکن جب کہ ہم اس کا عکس دیکھتے ہیں یعنی دختر رسولؐ اور ازواجِ رسولؐ پردہ کی دوسری عورتوں سے بڑھ چڑھ کر پابند بنائی گئی ہیں تو اس سے زاویہ نظر صاف معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ پردہ بنظر توہین نہیں بلکہ بنظر عزت ہے۔ اس لئے جس کا جتنا زیادہ وقار ہے اتنا ہی اس کا پردہ زیادہ ہے خدا ہماری خواتین کو اپنے نادان دوستوں اور نادان دشمنوں دونوں سے محفوظ رکھے۔

## آٹھواں اعتراض

پردہ صحت کے لئے مضر ہے روشنی اور تازی ہوا پہنچ نہیں سکتی جس کی وجہ سے فیصدی نوے عورتوں کو دق ہو جاتی ہے۔

کے روکے گی نہیں۔

☆☆☆

(سلسلہ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۸۲۸، دسمبر ۱۹۹۶ء)

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ کا۔۔۔۔۔)

کی بہت سی حقیقتیں ابھر سکتی ہیں جن سے ابھی لوگ ناواقف ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں مقتل عقبہ بن سمعان اور مقتل ضحاک مشرقی تیار کیا تھا اور دونوں شائع بھی ہو گئے ہیں یہ واقعہ کربلا کے عینی گواہ تھے اور محب اہل بیتؑ تھے۔ عراق و ایران اور ہندوستان کے اہل نظر میں انہیں دلچسپی سے پڑھایا گیا۔ میں مقتل الحسینؑ امام زین العابدینؑ، مقتل حضرت زینبؑ مقتل فاطمہؑ کبریٰ، مقتل امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ و مقتل الحسینؑ امام رضاؑ، مقتل الحسینؑ امام مہدیؑ منتظر واقعہ کربلا کے سلسلے میں ان کے بیانات جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عوام کی باہمی آویزش نے ان کو کسی ضرورت کے احساس کے قابل نہیں رکھا ہے۔ بہت ضروری اور اہم کام جو اس صدی کے تقاضے تھے زاویہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اگر مورخین کی کتابوں سے مقاتل تیار کرنے اور نئے مفت تل ترتیب دینے کی مہم کی قدر و قیمت کو محسوس کیا جاتا اور یہ کام ہو جاتا۔ تاریخ و ادب اور ذکر و بیان مراثی و خطابت کو وہ قوت و جلال ملتی جس کا اندازہ اندھیرے میں نہیں کیا جاسکتا۔

اگر تیرہ سو سال کے اندر جو مقتل لکھے گئے یا تاریخوں میں جو مواد ہے اس پر نظر ثانی نہیں کی جائے گی اور درایت و تنقید کی مدد سے نئی کتابیں منظر عام پر نہیں آئیں گی تو غلطیوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔

[ماخوذ از ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ محرم نمبر فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۶۱/ تا ۱۶۴/]



حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظانِ صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر، راستوں میں، گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور ٹھیٹھروں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے کھوئے سے کھواچھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں نہ جانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈ بھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہنچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مصفرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود یکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہو چکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسی اور نوے یا اس سے زیادہ کی عمر تک پہنچتی رہی ہیں۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں جو بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کر چکا ہے۔ عمروں کی مقدار بہ نسبت پہلے کے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے حفظانِ صحت کے اصول سے گھرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی کی برکت ہے۔ جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی بہ نسبت گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیونکر سمجھا جاسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب بالکل غلط ہیں عقلی حیثیت سے پردہ مستحسن اور

# ترتیب و تنقیدِ مقاتل کی مہم

میراثِ مسلمان ہے سرمایہٴ شبیریؑ

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کا مونپوری

نیک نامی کا وارث بنایا۔ ان قبائل میں واقعات کر بلا کا برابر چرچا رہتا۔ یہ قبائل ان واقعات کو اپنی دستاویز فخر سمجھتے اور مناسب مواقع پر ان کا بار بار ذکر کیا کرتے۔ اسد، جعف، خزاعہ، خثعم، تغلب وغیرہ قبائل کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے افراد نے جرمہ شہادت نوش کر کے زندگی جاودانی حاصل کی۔

## عزیزوں کے تاثرات

محمد بن حنفیہ۔ عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن جعفر کی تقریروں اور تحریروں نے اس سانحہ عظمیٰ کے بہت سے تاریخی اجزائی کی حفاظت کی۔

## قاتلوں کے بیانات

خود قاتلوں نے ابن زیاد و یزید کے درباروں میں انعام و صلہ و عزت و شہرت کے خیال سے مبالغہ کا رنگ بھر کر بیان کیا جس سے اصل حقیقت کا استنباط مشکل کام نہیں ہے۔ حکومت کے نامہ نگاروں نے حکومت کے ایما پر عوام کو خوف زدہ و مرعوب کرنے کے لئے واقعات عوام تک پہنچائے۔

## توابین و مختار

سلیمان بن صرد خزاعی۔ عبد اللہ بن والی، رفاعہ بن شداد بجلی وغیرہ جب قاتلانِ امامؑ سے خونِ طاہر کا انتقام لینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو واقعہ ہائلہ کر بلا کو نظم و نشر میں بیان کرتے تھے اس طرح برابر واقعات کے بیان کی تکرار و تجدید ہوتی رہی۔ جس وقت مختار قصاص خونِ شہداء کے لئے اٹھے تو انہوں نے بھی اس واقعہ کی انقلابی روح سے حوصلوں میں جان ڈالی۔ جب ان کی حکومت قائم ہو گئی اور قاتلوں کو گرفتار کر لیا تو ہر ایک

۶۱ھ میں کر بلا کے شہیدوں کا پاک خون زمین پر گرتے ہی اس کی تاثیر کا اظہار ہونے لگا۔ اسی دن سے نئے دل اور نئے دماغ ڈھلنے لگے۔ فضا میں تغیر ہونے لگا۔ واقعہ کی تاثیر نے لاکھوں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اس کی نشر و اشاعت اور تشریح و توضیح کے لئے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں وقف ہو گئیں۔ مورخ، سیرت نگار، شاعر، ادیب مقرر و خطیب اور معلوم نہیں کہ کن کن ناموں سے حسینیت کے پروانے یاد کئے جانے لگے۔

## شر کا واقعہ کا تحفظ حسینیہ میں حصہ

امام زین العابدینؑ ساری زندگی اس واقعہ سے مردہ قوم میں تازہ روح پھونکتے رہے۔ کر بلا کی محترم خواتین نے، کوفہ و شام کے سفر میں اپنے خطبوں اور مرثیوں سے شہادت کے فلسفے کو دور دور تک پہنچایا۔ پس ماندگان کی آہ آتشیں، ان کے دلگداز نوے، ان کے رقت خیز واقعات، ان کی سوگوارانہ شام و سحر سے اس عہد کا سماج شعوری و غیر شعوری طور پر شدت سے متاثر ہوا۔ ستم کش وارثوں نے تبلیغی زبان میں اسرارِ شہادت، مقام شہادت اور رودادِ شہادت کے سلسلے میں بہت کچھ کہا۔

کر بلا سے کوفہ و شام تک اسیروں نے شہادت کے پس منظر و منظر کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی۔ عقبہ بن سمعان خادم حضرت ربابؑ رفیقہٴ حیات امام حسینؑ اور ضحاک مشرقی اور حسن مثنیٰ یہ سب واقعہ کر بلا کے ترجمان کی حیثیت سے زندگی بھر چشم دید واقعات سامعین کے گوش گزار کرتے رہے۔

## شہداء کے قبائل

کر بلا کے شہیدوں نے اپنے قبائل کو لازوال عزت و

قاتل سے فرداً فرداً اس کا مخصوص جرم اس سے پوچھا۔ قاتلوں کی فہرست تیار کرائی۔ اس طرح خود قاتلوں کی زبان سے بھی مقتل شہداء تیار ہو گیا۔

### بنی فاطمہؑ کے انقلابی نعرے

بنی امیہ و بنی عباس کی حکومتوں نے اولاد نبی و علیؑ و بنی فاطمہؑ پر عرصہٴ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ بنی فاطمہؑ کے صبر و ضبط کا پیمانہ جب لبریز ہو جاتا تھا تو وہ سر تھیلی پر رکھ کر مدافعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت وہ المیہ کر بلا کے سوز و تاثیر سے سامعین کے دلوں کو گرماتے تھے اور خود ان پر جو مظالم ہو رہے تھے ان کو کر بلا کے مظالم سے جوڑ کر اپنی مظلومیت کی لرزہ خیز داستان سناتے تھے جس سے عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو جاتی تھیں اور واقعہ کر بلا حماس و شجاعت و غیرت دینی و ملی کی روح بن کر سننے والوں سے اپنا گہرا رشتہ عقیدت قائم کر لیتا تھا۔

زید بن امام زین العابدینؑ نے حکومت کے مظالم سے عاجز آ کر جب انقلابی قدم اٹھایا تو ان کی دعوت کا نعرہ ”یالشارات الحسین“ تھا یعنی حسینؑ کے خون کے بدلے کے لئے اٹھو۔

مصر و یمن و طائف، ایران وغیرہ سے جو امامؑ کی نصرت کے لئے آنا چاہتے تھے لیکن موانع کی وجہ سے نہ آ سکے۔ ان کا دل محرومی کے صدمہ سے ایک مجلس غم بنا رہتا تھا۔ مرثیٰ یا محرومی کے تذکرے واقعہ ہائلہ کر بلا کی تجدید کرتے تھے۔

### امام زین العابدینؑ کا کر غم حسینؑ

امام زین العابدینؑ نے ساری زندگی اسباب و مقاصد و روداد واقعہ کر بلا کے بیان کے لئے وقف کر دی تھی۔ امام محمد باقرؑ شہدائے کر بلا کے غم منانے کی ترغیب دیتے تھے۔ خود اجمالاً یا تفصیلاً واقعہ کر بلا کا متن بیان کیا کرتے، شعراء کو مرثیہ گوئی یا مرثیہ خوانی کی دعوت دیتے تھے۔ سدید، کمیت و فرزدق نے مرثیے کہے۔

### واقعہ کر بلا نعرہٴ انقلاب بن گیا

اموی حکومت کے زوال میں واقعہ کر بلا کے اثرات کا بڑا حصہ تھا۔ ۱۰ محرم کو انقلابی جھنڈے بلند کئے گئے۔ یہ جھنڈے سیاہ تھے۔ واقعہ کر بلا کے اکہتر سال بعد ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان حمار کی بیٹیاں جب عدیس خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے سامنے قید کر کے لائی گئیں تو صالح نے ان کے سامنے واقعہ کر بلا کا ذکر کیا اور بتایا کہ بنی امیہ نے اہل بیتؑ کی توہین میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (مروج مسعودی)

### ائمہ اہل بیتؑ نے بقاء و تجدید سانحہ کر بلا

#### میں بڑا کام کیا

امام جعفر صادقؑ نے واقعہ کر بلا کے نشر و اشاعت کی تنظیم میں اسے ایک ادارہ کی شکل دی۔ اس کے حدود قائم کئے۔ گھر میں مجالس کیں۔ شعراء کو مرثیٰ پڑھنے کی دعوت دی۔ ابوعمارہ نشد، جعفر عقیل، فقیل، سید اسماعیل حمیری وغیرہ نے امامؑ کا اشارہ پا کر المیہ شاعری اور عزائم ادب میں گرا نذر اضافہ کیا۔ امام رضاؑ نے اپنے عہد میں عزاداری کو بہت فروغ دیا۔ دعبل خزاعی کے مرثیٰ کی تخلیق آپ ہی کے عہد میں ہوئی۔

### حکومتوں کے تشدد نے واقعہ کر بلا کی یاد

#### دہانی کی

۶۱ھ سے ۲۶۰ھ تک ائمہ کا دور ظہور ہے۔ واقعہ کر بلا مختلف دور میں مختلف منزلوں سے گذرا۔ متوکل نے سخت تشدد سے کام لیا۔ لیکن بہلول دانا اور زید مجنون کو نہ روک سکے۔

### آل بویہ اور فاطمین مصر کی کوششیں

واقعہ کر بلا مختلف و متضاد ادوار سے گزرتا رہا۔ زیادہ تر سیاسی حالات ناسازگار رہی رہے۔ عرصہ کے بعد ۲۵۱ھ میں آل بویہ کا نیک دل و فدائے آل محمد بادشاہ معز الدولہ جب تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے المیہ کر بلا کو سرکاری غم قرار دیا اور عاشور کو ریاست میں سب کاروبار بند کرادیئے۔ سیاہ لباس میں سڑکوں پر ماتمی جلوس نکالا۔

مصر میں بنی فاطمہ نے بھی اس واقعہ کی اشاعت میں کافی





## عورت اسلام کی روشنی میں

اسد العلماء مولانا سید اسد علی صاحب قبلہ ، الہ آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ الْعِبَادِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ  
الرَّشَادِ وَ عَلٰی اَهْلِ بَيْتِهِ مَصَابِيْحِ الظُّلَمِ وَمَنَارِ الْهُدٰی۔

### فلسفہ تکوین

جناب باری عز اسمہ سورہ ”الذاریات“ میں فلسفہ تخلیق کے متعلق ارشاد فرماتا ہے (وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ) ہر چیز کو ہم نے قاعدہ زوجیت کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ نہ تو انسان کی تخصیص کی اور نہ حیوان کی لفظ ”شئی“ استعمال کر کے یہ بتلادیا کہ ہمارا یہ قانون ہمہ گیر ہے۔ کارگاہ عالم میں جس کارگیری پر نظر ڈالو گے یہی قانون نافذ پاؤ گے۔

خود خالق کی جانب سے اس راز کے انکشاف کے بعد کسی مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس حکم قطعی میں شک و شبہ کو دخل دے۔ ہاں اگر کار تکوین میں کوئی شریک کار ہوتا یا معاون ہوتا تو اس کے خلاف کہنے کی جرات کر سکتا تھا لیکن جب ایسا نہیں ہے تو پھر بے چوں و چرا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ساری مشین قاعدہ زوجیت کے زیر نظر بنی ہے اور اس مشین کے تمام کل پرزے جوڑوں کی شکل میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔ اس آئیہ کریمہ کے تحت پہلے تو یہ چیز قابل ذکر ہے کہ زوجیت ہے کیا چیز؟

### مفہوم زوجیت

یہ تو ایک آشکار حقیقت ہے کہ رابطہ زوجیت شان وحدت کے خلاف ہے اور عالم وحدت میں قدم زوجیت نہیں پہنچ سکتا تو پھر یہ زمین کثرت کا شجر قرار پایا اور عالم کثرت کا مخلوق ہوا اور جب زوجیت کے لئے دوئی لازم قرار پائی تو ان دونوں کو کیسا ہونا چاہئے؟ ایسا ہونا چاہئے کہ ایک ان میں سے اثر انداز اور دوسرا اثر پذیر، ایک میں قوت تاثیر ہو دوسرے میں صلاحیت تاثر، ایک

فیض رساں ہو دوسرا فیضیاب، اسی فعل و انفعال تاثیر و تاثر، فاعلیت و قابلیت کا نام رابطہ زوجیت ہے۔ یہی رابطہ و تعلق مدار کائنات ہے اور اسی قطب پر عالم تکوین کی چکی چل رہی ہے، اسی تعلق سے تمام ترکیبات واقع ہوتی ہیں اور انھیں ترکیبات سے عالم ایجاد کا سارا کارخانہ چلتا ہے۔

### طبقات زوجیت

اگرچہ خداوند تکوین کے ارشاد کے مطابق دنیا کے ذرے ذرے میں فاعل و منفعل کا ربط پایا جاتا ہے لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبقات موجودات کے اختلاف کے لحاظ سے زوجی تعلق کی کیفیتوں میں بھی اختلاف پیدا ہوتا گیا ہے اگرچہ اصل زوجیت سب میں ایک ہے۔ ہر طبقہ مخلوق جیسا بلند یا پست ہوتا گیا ہے ویسا ہی اس کا تعلق زوجیت بلند یا پست مصالح و فوائد کا حامل ہوتا رہا ہے۔

نوع انسانی میں رابطہ زوجیت جن خصوصیات کا جامع ہے وہ جامعیت کہیں بھی نہ ملے گی اس کے بعد طبقہ حیوانات میں اور کیفیت ہوگی اجسام نامیہ میں اسکے فوائد و مصالح کچھ اور انداز سے ظہور میں آئیں گے اجسام غیر نامیہ کچھ اور صورت ہوگی اور بساط و عناصر میں کچھ اور انداز ہوگا اور یہ اختلاف فطری مقاصد کے تحت ہوگا یعنی چونکہ مقصود خلقت تمام طبقات موجودات میں مختلف ہے اس لئے شان زوجیت بھی مختلف ہوگی۔

### زوجیت کوئی ناپاک رابطہ نہیں

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ حکمت صانع اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عالم تکوین قانون زوجیت کے ماتحت ظہور میں آئے اور ایسا ہی ہوا تو پھر عقل انسانی نہایت آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتی ہے کہ جس طریقے کو اس نے اپنے کارخانے کے چلنے

کا ذریعہ قرار دیا ہو اور جن اصول کی بنا پر تکنیکیات کی ساری عمارت کھڑی کی ہو کیا وہ کسی حیثیت سے بھی ناپاک اور ذلیل ہو سکتا ہے اور کیا کسی مخلوق کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جس قاعدے کے تحت وہ خود منزل وجود تک آیا اس کو حقیر و پست خیال کرے یقیناً اپنی حکمت کی وجہ سے وہ ہمیشہ پاک و قابل عزت ہی رہے گا کارخانے کے مخالف اس کو گندہ اور قابل نفرت سمجھتے ہوئے اس سے اجتناب کیا کریں مگر خود کارخانے کا صانع یہ بھی نہ چاہے گا کہ اس کا کاروبار بند ہو جائے لہذا نتیجہ نکلا کہ اس طریقہ کو مذموم قرار دینے والے خود شعور ادراک سے خالی ہیں اور اپنی حقیقت سے غافل۔ اسی مقام سے معلوم ہو گیا کہ مسیحین کا یہ نظریہ کس قدر دور از عقل ہے کہ مرد و عورت کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اجتناب چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت میں کیوں نہ ہو اس وہم نے تجرد و دوشیزگی کو معیار اخلاق بنا دیا اور تباہی کی زندگی کو حقیر و ذلیل بنا دیا لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو کارنامہ اخلاق سمجھنے لگے اور قابل ستائش زندگی بس یہی رہ گئی کہ آدمی نکاح نہ کرے اور اگر کرے تو غرض نکاح پر عامل نہ ہو، ان تمام راہبانہ خیالات کا بے بنیاد ہونا واضح ہو گیا۔

### نظام تمدن میں طرفین کی اہمیت یکساں ہے

ایک اور اصولی بات جو مفہوم زوجیت سمجھنے کے بعد اس آیت کے ذیل میں معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ فعل و انفعال دونوں نظام عالم کے بقاء و قرار میں یکساں دخل رکھتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک زیادہ ضروری ہو اور دوسرا کم کسی کی اہمیت زیادہ ہو اور کسی کی کم مثلاً کوئی خیال کرے کہ فعل میں تو عزت معلوم ہوتی ہے اور انفعال میں ذلت اثر اندازی میں رفعت و شرف ہے اور اثر پذیری میں پستی و حقارت تو یہ خود اس کے دماغ کی پستی اور عقل کی کمی ہوگی کیونکہ فاعل کا کمال جس طرح اس میں ہے کہ اس میں قوت فعل اور فاعلی کیفیتیں پائی جائیں تاکہ وہ زوجیت کے فعلی پہلو کا کام بخوبی انجام دے سکے اسی طرح منفعل کا کمال اس میں ہے کہ کیفیات انفعالیہ بدرجہ

کمال اس میں پائی جاتی ہوں تاکہ وہ زوجیت کے انفعالی اور قبولی پہلو کی خدمت بوجہ اکمل ادا کر سکے کیونکہ ایک مشینری اپنا کام اسی وقت کر سکتی ہے جبکہ اس کا ہر ہر پرزہ اپنی جگہ پر رہ کر اپنے فرائض کی تکمیل میں منہمک ہو اور اگر کسی نے اپنے کام کو ناپسند کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑی اور دوسرے کی جگہ جا کر اس کے کام کو مناسب خیال کرتے ہوئے شروع کر دیا ہو تو پھر مشینری یقیناً فیل ہو جائے گی بالکل یہی حال جماعت، قوم، ملک کے نظام کا ہے ہر جگہ تھوڑی یا بہت بد نظمی کے ہاتھوں جو زوال و انحطاط رونما ہو رہا ہے اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ کچھ کارآمد پرزے کچھ لوگوں کی غیر معتدل اور نامنصفانہ مسابقت کی وجہ سے دور از کار افتادہ ہیں اور کچھ دوسرے مصرف کے پرزے نااہل کارکنوں کے ہاتھوں بے محل استعمال کئے جا رہے ہیں۔

یہاں پر اتنا اور عرض کرتا چلوں کہ کارگاہ عالم میں اگرچہ فعل و انفعال تاثیر و قبول دونوں یکساں اہم اور ضروری ہیں لیکن بہر حال فعل کو قبول و انفعال پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے اور یہ علو و فوقیت، غلبہ، قوت، اثر کے معنی میں ہے نہ اس معنی سے کہ فعل میں عزت و رفعت ہے اور انفعال و قبول میں پستی و حقارت کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فعل قوت و غلبہ کے بغیر نہیں ہو سکتا فاعلیت بجائے خود قوت و اثر کو ظاہر کرتی ہے اور انفعالییت خود مغلوبیت کو ضعف کو بہ نسبت فاعل کے ظاہر کرتی ہے لہذا جو فاعل ہے اسی لئے کہ وہ اس پر غالب ہے، طاقتور ہے، تاب و تواں رکھتا ہے اور جو منفعل ہے اسی لئے کہ مغلوب ہے، کمزور ہے متاثر ہونے کی استعداد رکھتا ہے معلوم ہوا کہ لفظ فاعل خود قوت پر دال ہے اور لفظ منفعل خود ضعف پر ورنہ ضرورت و اہمیت عزت و شرف کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اگر فعل قوت فاعلی کا مظہر ہے تو انفعال قوت قبول کا مظہر ہے اگر اثر اندازی کے لئے قوت درکار ہے تو اثر پذیری کے لئے بھی قوت درکار ہے ہاں نوعیت و کیفیت قوت میں تفاوت یقیناً ہوگا اور یہ تفاوت و فرق بھی پراز حکمت و صواب

يَحْكُمُونَ۔ یا مسکین کا یہ خیال کہ ”اس کے لئے کچھ اور برائی کے اثبات کی ضرورت نہیں اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک اور بد ہونے کو کافی ہے“ یا یہ نظریہ کہ ”اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمناک چاہئے اس کو دامن کفارہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ گناہ کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یا اسی طرح کے دیگر نظریات جن کا بیان بہ تفصیل آئے گا اسی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہیں۔ اور یا صنف منفعل میں بھی وہی صفات ڈھونڈتے ہیں جو مردوں ہی کے لئے زیبا ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت نکلون کائنات سے جنگ کرنا ہے۔

### حکمت زوجیت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ قانون زوجیت ہر چیز میں نافذ ہے لیکن اغراض و مقاصد ہر جگہ ایک نہیں کہیں اہم ہیں اور کہیں غیر اہم خداوند عالم نے حیوانات میں زوجیت بقاء نسل اور توقیر نسل کی وجہ سے رکھا ہے۔ محبت وغیرہ کے تعلقات حیوانات کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں جن کا مقصد حفاظت اور پرورش ہے لیکن انسان کے لئے کچھ اور زیادہ اہم اغراض و مقاصد ہیں جن پر اس نے اپنے کلام میں مختلف موقعوں پر روشنی ڈالی ہے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: نَبَسَا وَكُنْمُ حَزْثَ لَكُمُ فَاتُّوا حَزْثَ ثَكْمُ اَتَى شَيْئُكُمْ۔ تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ گویا مرد کا شکار ہے، عورت زمین اور نطفہ ختم اور کوئی صحیح الدماغ کا شکار یہ کبھی نہیں پسند کرے گا کہ اپنا قیمتی بیج ایسی جگہ ڈال دے جہاں اگنے کی امید نہ ہو۔ اسی لئے خدا نے جلتی اور لواطہ کو قطعی حرام کر دیا عورت کے ساتھ لواطہ بھی ممنوع ہے یہاں جو کہا گیا کہ جس طرح چاہو آؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ترکیب تمہیں پسند آئے مگر آگے ہی کی طرف کیونکہ ہر سوراخ کو یکساں نہ سمجھنا چاہئے مرد عورت کے عضو مخصوص میں خدا نے ایک خاص قدرتی نرمی، گرمی امانت رکھی ہے جو خود سیکڑوں امراض کی دوا ہے۔

اس آیت کی شان نزول میں فخر الدین رازی نے اپنی

ہے کیونکہ فاعل و منفعل دونوں کی قوت اگر ایک ہی نوعیت و کیفیت کی ہوگی تو اصل مقصد ہی حاصل نہ ہو سکے گا نہ فاعل اپنے فعل میں کامیاب ہوگا نہ منفعل اپنے قبول و تاثر میں۔ جس طرح وقوع فعل کے لئے فاعل و منفعل دونوں کا وجود ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کی قوت اپنی اپنی نوعیت میں مختلف ہو فاعل میں اگر قوت تاثیر ہو تو منفعل میں قوت تاثر ہو اگر ایسا نہ ہوگا تو فعل مقصود واقع ہی نہ ہوگا جیسے اگر کپڑے میں وہی سختی ہو جو سوئی میں ہے تو کیا کارِ خیاطات انجام پاسکتا ہے اور اگر زمین بھی ویسی سخت ہو جیسے بل کا لوہا تو کیا کھیت تیار ہو سکے گا اور کھیتی ممکن ہوگی اسی طرح مرد و عورت دونوں میں اگر ایک ہی طرح کی شدت، صلابت تحکم ہو تو کیا مقصد زوجیت حاصل ہو سکتا ہے اور نباہ ممکن ہے لہذا مناسب صورت یہی ہے کہ زوج فاعل میں غلبہ، شدت، تحکم ہو جس کو دوسرے لفظوں مردانگی یا رجولیت کہئے اور زوج منفعل کے لئے لازم ہے کہ نرمی، نزاکت، قبولیت ہو جس کو نسانیت یا انوشتیت کہئے کیونکہ کامیابی کا انحصار اسی صورت میں ممکن ہے۔ ہاں جو لوگ اس راز سے واقف نہیں وہ یا تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ فاعل بالذات قابل عزت ہے اور اس کا مقابل بالذات ذلیل و حقیر ہے اور اس نظریہ کے تحت جو کچھ اقدامات ہونے چاہئے وہ ان سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔

دورِ جاہلیت کا یہ طریقہ کہ ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی تو رنگ فق ہو گیا، انتشارِ نج و غم ہوا کہ منہ کالا پڑ گیا اور زہر کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس خبر بد سے وہ لوگوں کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہا۔ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے کیونکہ لڑکی باعثِ ننگ و عار ہے اور سوچتا رہتا ہے کہ اس کو ذلت اٹھا کے زندہ رہنے دے یا زندہ ہی اس کو زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو تو کس قدر برا خیال تھا۔ خداوند عالم اس خیال خام کو سورہ نحل میں بیان فرماتا ہے۔ وَ اِذَا بَشَرٌ اَحْدَهُمْ بِاَلْاُنْثٰى ظَلَّ وَ جْهَهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيْمٌ يَّتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيْمَسْكُهُ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدْسُهُ فِى الْغَرَابِ اِلَّا سَاءَ مَا

تفسیر کبیر میں جو روایت لکھی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خدا کا مقصد ”جدھر سے چاہو آؤ“ سے یہ ہے کہ آگے کی طرف جس ترکیب سے چاہو جماع کرو۔ نہ یہ کہ جہاں چاہو جماع کرو جیسا کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ وہ روایت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ خلیفہ ثانی ایک دن جناب رسالت مآبؐ کی خدمت بابرکت میں پریشان تشریف لائے اور بیچارے فرمانے لگے کہ حضور میں تو ہلاک ہوا آنحضرت نے فرمایا آخر کیا ہوا فرمانے لگے کہ میں نے پشت کی طرف سے آگے کی جانب میں جماع کیا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور خدا نے یہ آیت کہ ”تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہی تو ہیں“ نازل فرمادی۔

بہر حال اس آیت میں جناب باری نوع انسانی کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ زوجین میں کھیتی اور کسان کا ساقط ہے۔ حیوانات کے نقطہ نظر سے یہ ایک بہترین تشبیہ ہے جو مرد و عورت کو دی جاسکتی ہے اس تشبیہ نے یہ بتایا کہ انسانی زوجین کا تعلق حیوانات اور دیگر زوجین سے مختلف ہے وہاں تو مقصد صرف بقاء نسل ہے کیونکہ مقصد خالق یہ ہے کہ ایک معین وقت تک یہ نسلیں باقی رہیں اور اس غرض کے پورا کرنے کے لئے صنفی میلان فطری طور پر رکھا گیا ہے۔ لیکن انسان کے یہاں بقاء نسل تو خیر مقصود ہی ہے۔ اسی لئے فطری جاذبیت و دیعت کی گئی ہے اس کے ماسوا مذکورہ بالا تشبیہ نے بتایا کہ جب مرد کسان ہو تو کسان صرف تخم افشانی کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا فرض پانی دینے کھا دہیا کرنے رکھوالی اور نگرانی کرنے کا بھی ہے اسی طرح عورت بھی وہ زمین نہیں ہے کہ جس میں چلتے پھرتے کوئی بیج پھینک جائے اور وہ ایک خود رو درخت سامنے کھڑا کر دے بلکہ وہ اس وقت بارور ہوتی ہے جب اس کا کسان اس کی داشت و نگرانی کا پورا بار سنبھالے سرد و گرم سے اس کو بچائے اس کی تربیت کا سامان فراہم کر کے جہاں اپنے احکام اس پر عائد کرتا ہے وہاں اپنے قوی شانوں پر بھی کچھ اس کے حقوق کا بار محسوس کرے۔

اس تشبیہ میں اس مطلب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے کسان کے لئے تخم ریزی کے زمانے معین ہیں اور ہر وقت تخم پاشی کے لئے مناسب نہیں ہوتا اسی طرح انسان کو باہمی اختلاط کے لئے لحاظ اوقات ضروری ہے۔ مذہب اسلام میں جہاں تمام امور زندگی کے لئے منضبط اصول موجود ہیں وہاں اس شعبے کے واسطے بھی نہایت محکم و ہموار قوانین بنائے گئے ہیں۔ ہاں عمل کی ضرورت بیشک ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ بغیر عمل کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی سورہ بقرہ میں جناب باری زوجیت کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهِنَّ۔ یعنی عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم بھی ان کے لئے گویا لباس ہو، لباس باعث راحت ہوتا ہے معلوم ہوا کہ رابطہ زوجیت کا مقصد یہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے اسباب راحت فراہم کرے اور بیوی اپنے شوہر کے لئے سامان آرام مہیا کرے۔ عورت اپنے مرد کے لئے لباس یوں بنے کہ دن بھر گردش و کاوش کے بعد جب گھر واپس آئے تو سکون کی دنیا میں قدم رکھے انس و محبت کی عروس سے ہم آغوش ہو رنج و غم کے نقوش مٹیں، سکون و راحت کا نقشہ پیش نظر آئے کیونکہ انسان کے لئے نہ یہی مناسب ہے کہ اس کی چند روزہ زندگی غم ہی سے برابر دوچار رہے اور نہ یہ قرین حکمت ہے کہ بایں شادمانی پر ہمیشہ مسرور رہے۔ اور مرد اپنی زوجہ کے لئے باعث راحت یوں ہو کہ اس کی ضروریات کی تمام چیزوں کو باہر سے گھر تک پہنچا دے نان و نفقہ کا خیال رکھے لباس و دیگر ضروریات کا انتظام کرے، اتنا پیسہ کمائے کہ اس کو اور اس کے بچوں کو تکلیف نہ ہو اس کو شریک رنج و راحت سمجھے نہ فقط حامل تکلیف و صدمات۔

اس آیت نے بتلایا کہ رابطہ زوجیت کا مقصد صرف شہوانی تعلق حیوانات کی طرح نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انس اور لگاؤ کا تعلق ہو ایک دوسرے کے راز دار ہوں ان میں ایسی وابستگی ہو جیسے لباس و جسم میں ہوتی ہے لباس انسان کو سرد و گرم

سے بچاتا ہے تو عورت کو مرد کے لئے اور مرد کو عورت کے لئے ایسا ہونا چاہئے، کہ ایک دوسرے کو سرد و گرم سے بچانے والا ثابت ہو لباس انسان کے لئے ساتر ہوتا ہے چھپانے کی چیزوں کو لباس ہی سے چھپایا جاتا ہے لہذا مرد پر لازم ہے کہ عورت کی ان باتوں کو ظاہر نہ ہونے دے جو باعث شرم ہوں اور عورت پر فرض ہے کہ مرد کی ان فروغذاشتوں پر پردہ داری کرے جن کو پردے ہی میں رہنا چاہئے۔ لباس انسان کے لئے باعث زینت بھی ہوتا ہے لہذا مرد کو اپنے اخلاق و کردار حسن عمل و حسن ذات کی وجہ سے عورت کے لئے محل فخر بننا چاہئے اور عورت کو اپنی خوش سلیقگی خوش خلقی کے سبب سے مرد کی عزت کا سرمایہ بننا چاہئے۔

لباس انسان کے ظاہری عیوب کا پردہ دار ہوتا ہے اس کو انسان سے ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے وہ انسان کی رفعت و دنات کا آئینہ دار ہوتا ہے اگر لباس پاکیزہ ہے تو عزت کی نگاہ پڑتی ہے اور اگر کثیف ہے تو لوگ حقیر آدمی خیال کرتے ہوئے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں خدا نے طرفین کو لباس کہہ کر یہ بتایا کہ تم تاج کرامت اور خلعت شرافت پہن کر ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی بنو جیسے لباس ہوتا ہے اس کی سچی مثال اور روشن تر مثال کہ زوج زوجہ کے لئے باعث فخر ہو اور زوجہ زوج کے لئے محل ناز ہو، امیر المؤمنینؑ اور سیدہ عالم ہیں نہ فاطمہؑ کے لئے علیؑ کے سوا کفو تھا نہ علیؑ کے لئے فاطمہؑ کے سوا ہر ایک دوسرے پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ لیکن یہ سب کچھ وہاں ہے جہاں مرد اپنے دائرہ عمل میں رہ کر اپنے فرائض انجام دے اور عورت اپنے دائرہ عمل میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے۔ نہ وہ اچھل کر مرد کے دائرے میں قدم رکھنے کی کوشش کرے اور نہ مرد پست خیالی کے تحت عورت کے میدان عمل میں داخل ہونے کا خواہشمند ہو اور جہاں یہ حدود قائم نہ رہے اور مرد و عورت مل کر دونوں کمانے لگے اور گھر کا کام بازار اور ہوٹل کا رہیں منت بن کر رہا وہاں یہ شعبہ تمدن خوب برباد ہوا حالانکہ تمدن کے شعبوں میں جواہریت دوسرے شعبوں کی ہے وہی اس کی بھی ہے اور تمدنی

زندگی کے لئے یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنے دوسرے شعبے ضروری ہیں۔ انھیں مقاصد پر حکیم مطلق سورہ روم میں روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ چین کی زندگی بسر کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار و محبت پیدا کیا اس میں شک نہیں کہ اس میں غور کرنے والوں کے واسطے قدرت خدا کی یقینی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ واقعی بالکل سچ ہے کہاں کا مرد کہاں کی عورت اور پھر دونوں کا نکاح ہوتے ہی ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ ماں باپ اعزاء و اقارب سب ایک طرف اور وہ ایک طرف اور کیوں نہ ہو انسان فطرۃً طالب سکون ہے اور اس کے اعضا و جوارح اس سے تقاضائے راحت کیا کرتے ہیں بچپن میں آغوش مادر میں اس کے عیش و آرام کا خزانہ منجانب قدرت ودیعت ہے، اور جوانی اور اسکے بعد کے زمانوں کے لئے عورت کی ذات میں سرمایہ سکون و راحت اور عورت کی فطری خدمت یہی ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اور ہنگامہ عمل کی مشقتوں بھری دنیا میں سکون و راحت کا ایک گوشہ مہیا کرے خلاق کائنات نے جو عورت کی فطرت میں نرمی، نزاکت، قبولیت و اطاعت دی ہے وہ اسی لئے اس سے ایسے کام لینا تھے جن کے لئے انھیں صفات کی ضرورت تھی اور جب عورت کے آئینہ میں مردانگی صفات کا جلوہ دیکھنے کی سعی لا حاصل کی جائے گی تو اس کی فطری خدمت کے فریضہ سے اس کو سبکدوش تصور کرنا ہوگا۔

#### رابطہ زوجیت کا ایک اور مقصد

انسان میں رابطہ زوجیت کا ایک اور مقصد خالق کائنات کا یہ ہے کہ اس تعلق کے تحت جو اولاد ہو اس کے ساتھ بھی ایک گہرا روحانی لگاؤ ہو یہ حکمت حیوان کے یہاں مطلوب و مقصود نہیں فطرت نے اس کا انتظام یوں کیا ہے کہ انسان اور خصوصاً عورت



سے خاندان اور خاندانوں سے قبائل اور قبائل سے قومیں وجود پذیر ہوتی ہیں اور ان کے باہمی مفید تعلقات سے تمدن ظہور میں آتا ہے اسی راز کو قرآن مجید منکشف کرتا ہے۔ سورہ فرقان میں ارشاد گرامی ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا۔ یعنی وہی پروردگار ہے جس نے بشر کو پیدا کیا اور اس کے لئے نسبی و سسرالی رشتے قرار دیئے۔

اقوام و قبائل کے وجود کا حال یوں بیان کرتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (لوگو! ہم نے تم کو نر و مادہ سے خلق کیا اور تم لوگوں کو اقوام و قبائل پر تقسیم کر دیا تاکہ شناخت میں سہولت ہو۔

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ قدیم تربیت کے مطابق اولاد کی تربیت ہو۔ ورنہ جدید طریق تربیت میں تو نہ ماں باپ کو بچہ پہچانتا نہ ماں باپ بچہ کو پہچانتے نہ وہ ماں اس کے لئے جاگی اور نہ بچہ اس کے لئے رویا یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور ملک کا بچہ قرار پایا۔ اس کی زندگی اور موت دونوں فی سبیل الملک رہی۔

#### زوجیت کا ایک اور اہم مقصد

اس ازدواجی تعلق کے تحت یہ پر حکمت نتیجہ ظہور میں آتا ہے انسان کی گاڑھی کمائی اور محنتوں کے ثمرات کا صحیح مصرف بھی نکل آتا ہے کیونکہ تقاضائے فطرت یہ ہے کہ اگر وہ کچھ چھوڑے تو اپنی اولاد کے لئے اور دیگر عزیزوں کے لئے جن کے ساتھ وہ تمام عمر خونی اور رجمی رشتوں میں بندھا رہا ہے۔ نہ یہ کہ خاص اپنے زن و فرزند محروم رہیں اور دوسرے لطف اندوز ہوں۔

#### اسلام میں عورت کے حقوق

انسانیت اور خصوصاً عورت کے تاریک دور کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پتہ چلے گا کہ اسلام نے عورت کو کیا دیا۔ اور انسانیت کو کتنا بلند کیا۔ انسانی تمدن کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں عورت کا وجود ننگ و ذلت و گناہ کا وجود تھا بیٹی کی پیدائش باپ کے لئے ننگ و عار تھی قرآن اس ذہنیت کی نہایت بلیغ انداز میں ترجمانی کرتا ہے۔ سورہ نحل میں ارشاد گرامی ہوتا ہے کہ وَإِذَا

کی جسمانی ساخت اور حمل و رضاعت کی طبعی صورت میں خالق نے کچھ ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اولاد کی محبت اس کے رگ و پے میں پیوست ہو جاتی ہے اس کو اپنا دکھ درد گوارا ہے مگر فرزند کو ذرا دیر بھی محن و آلام میں نہیں دیکھ سکتی اور کیوں نہ ہو جن تکالیف کا تحمل کرنے کے بعد وہ لخت دل کو اپنی آغوش میں دیکھتی ہے اس کا تقاضا ہی یہی ہے خداوند عالم سورہ احقاف میں فرماتا ہے (وَوَضَعْنَا لِلنَّاسِ يَوْمَ الدِّينِ أَحْسَنًا نَّا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمَلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا) مولود کی ماں نے تکلیفیں اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور جھٹکے اٹھا کر پھر اس کو جنا اور حمل دودھ بڑھائی میں کم از کم تیس مہینے صرف ہوئے یہی تو بات تھی جس کی وجہ سے ہم نے اس انسان کو والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم تاکید دیا۔ اور پھر سورہ لقمان میں ارشاد باری ہوتا ہے وَوَضَعْنَا لِلنَّاسِ يَوْمَ الدِّينِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَ هُنَا عَلٰى وَ هُنَا وَ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ) ماں نے اس کو جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر پیٹ میں رکھا پھر وہ دو سال کے بعد ماں کی چھاتی سے جدا ہوا اسی وجہ سے ہم نے اس انسان کو تاکید کی کہ میرا بھی شکر کر اور والدین کا بھی شکر یہ ادا کر میں پیدا کرنے والا ہوں اور یہ پرورش کرنے والے ہیں۔

اسی طرح مرد بھی اولاد کے لئے معیشت فراہم کرنے میں قسم قسم کی ایذائیں سہتا ہے لیکن چونکہ ماں کا حصہ ایذاؤں اور تکلیفوں میں زیادہ ہے اس لئے اس کی تکلیف کا بالخصوص تذکرہ کیا اور حق زیادہ قرار دیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر ماں باپ دونوں ایک ہی وقت میں کسی کام کو کہیں تو ماں کے حکم کو مقدم رکھو۔ اس محبت کا تذکرہ پروردگار عالم سورہ آل عمران میں فرماتا ہے (زَيْنٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ) کہ عورتوں اور بچوں کی محبت انسان کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اس سے پتہ چلا کہ رابطہ زوجیت کے تحت اولاد کی فطری محبت ماں باپ کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کا پر حکمت نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نسبی اور سسرالی رشتے قائم ہوتے ہیں اور ان رشتوں

بَشِيرَ أَحَدُهُمْ بِاَلْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ  
يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ  
يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ) لڑکی کی پیدائش کی ناخوشخوار خبر سنتے ہی  
رنگ فق ہو گیا۔ منہ کالا ہو گیا۔ غصہ کا گھونٹ پی پی کر رہتا ہے۔  
کسی سے آنکھیں چار کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ منہ چرائے  
پھرتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ننگ و عار کے بولتے ثبوت کو بادل  
ناخواستہ رکھے رہے یا زندہ درگور کر دے۔ یعنی جن سپہ کاروں کو  
خون ناحق پر شرم نہ آئی زنا کاری و غارت گری سے نہ جھکے فتنہ  
پرداز و شرانگیزی پر فخر و مباہات کرتے رہے ظلم و غضب کو کارنامہ  
شجاعت سمجھتے رہے۔ صنم پرستی کو متاع انسانیت جانتے رہے ان کو  
شرم آئی تو نعمت خداوندی اور امانت الہی پر جس کی صورت گری  
کرنے والا اور صحن وجود میں لانے والا اور رزق کا سامان والا اور  
تکمیل مراحل کرنے والا اور ان لوگوں سے یہ بات بعید از قیاس  
نہ تھی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی اولاد کو اکثر بخوف فقر و تنگدستی قتل کر دیا  
کرتے تھے اسلام نے اس وحشیانہ حرکت سے روکا اور کہا کہ ایسا  
نہ کرو خدا تمہارے لئے اور ان کے لئے ضامن رزق ہے قرآن  
میں سورۃ انعام اور سورۃ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ موجود  
ہے۔ جہلاً تو درکنار علماء میں یہ سوال درپیش تھا کہ عورت آیا انسان  
ہے بھی یا نہیں اور خدا نے اس کو روح بخشی ہے یا نہیں۔  
ہندو مذہب میں عورت وید کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ بودھ  
مت میں عورت سے اختلاط و تعلق رکھنے والے کے واسطے نروان  
کی کوئی صورت نہ تھی۔ مسیحیت اور یہودیت کی نگاہ میں عورت ہی  
انسانی گناہ کی بانی اور ذمہ دار تھی۔ یونان جو کہ گہوارہ تہذیب و  
مدنیت اور مرکز عقل و دانائی تھا وہاں بھی عورت کے لئے تعلیم کے  
دروازہ بند تھے اس بے چاری کے لئے نہ حقوق مدنیت تھے نہ  
تہذیب و ثقافت کیونکہ لونڈی کا کام صرف خدمت کرنا ہوتا ہے  
اس کو تعلیم و تمدن سے کیا سروکار یہ حال صرف یونان کا نہ تھا بلکہ  
تہذیب انسانی کے جتنے مرکز تھے جیسے روم و مصر ایران و چین  
وغیرہ سب کا قریب قریب یہی حال تھا۔

صدیوں کی مظلومی و محکومی کے برتاؤ نے خود عورت کے  
ذہن سے بھی عزت نفس کا احساس مٹا دیا تھا۔ وہ بھول کر بھی یہ  
خیال نہ لاتی تھی کہ انسانوں کی دوسری صنف کی طرح اس کے  
لئے بھی کوئی عزت کا مقام ہونا چاہئے اور جس طرح دوسروں کے  
مختلف حقوق قائم ہیں اس کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں بیچاری جس  
حال میں تھی اسی حال میں قانع تھی بلکہ شکر گزار تھی۔ مرد اس پر ظلم  
کرنا اپنا حق سمجھتا تھا اور وہ ستم سہنے کو اپنا فریضہ جانتی تھی۔ مسلسل  
غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کی وجہ سے اس کی ذہنیت  
اتنی پست ہو گئی تھی کہ وہ مرد کو ”آقا“ سمجھنے پر نازاں تھی اور فخر کے  
ساتھ اپنے کو شوہر کی ”داسی“ کہتی تھی یعنی کنیز، وہ شوہر کو آقا ہی  
نہیں بلکہ اپنا معبود اور دیوتا سمجھتی تھی۔

#### عورت اور دور جاہلیت

زمانہ جاہلیت کا یہ حال تھا کہ صلی اولاد محروم اور لے پا لک  
حقدار میراث ہوتے تھے اس ماں کے دل سے پوچھئے کہ کیا  
گزر رتی ہوگی جب اس کے بچے اپنے باپ کے ترکے سے محروم  
رہتے ہوں گے اور غیر اس پر متصرف ہوتے ہوں گے۔ یہ  
نامناسب طریقہ رائج رہا۔ یہاں تک کہ اسلام کی روشنی نے اس  
اندھیر گردی کو کافور کیا یہ قانون الہی آگیا کہ تمہارے لے پا لک  
تمہارے فرزند نہیں ہیں سورۃ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے۔ (وَمَا  
جَعَلَ اٰذِیْنَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ) عہد جاہلیت میں خاص زوجہ کو کچھ  
نہیں ملتا تھا بچوں کو ذکر ہوں یا اثاث محروم رکھا جاتا تھا میراث  
کے حقدار تھے تو کون۔ صرف جوان۔ بھائی ہوں یا فرزند جو کہ  
میدان کارزار میں صف آرائی کر سکتے ہوں اور مال غنیمت اکٹھا  
کرنے پر قادر ہوں ان کا یہ مقولہ تھا (لا یرث الامن طاعن  
بالرمح و زاد عن الحوزة و حاز الغنیمۃ) جو شمشیر زنی اور  
نیزہ بازی کر سکتا ہو دشمنوں کو دور کر سکتا ہو مال غنیمت اکٹھا  
کر سکتا ہو وہ ہے میراث کا حقدار۔ گویا نبرد آزمائی اور جنگجوئی اس  
قدر مستحسن اور ضروری صفات تھے کہ جن کو فطرت نے اس قابل  
نہ کیا ہو وہ بھی کسی رعایت اور حق کے سزاوار نہیں۔

پھر جو اس قابل ہوں لیکن ان اقدامات سے کنارہ کش ہوں کس قدر لائق ملامت ہوں گے۔ اسلام اور اس نے اس حق تلفی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے (لِلزَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا) ماں باپ اور اقارب جو کچھ کم یا زیادہ چھوڑ جائیں اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کا واجبی حق ہے۔ دیکھئے کہ اسلام کے قبل عورت کی منزل کیا تھی اور اسلام نے اس کو کیا درجہ دے دیا دور جاہلیت میں ایک حلف کا اصول بھی رائج تھا وہ یوں کہ کسی نے کسی سے بربنائے محبت و رفاقت یہ اقرار کر لیا کہ میرا خون تیرا خون، میری بربادی تیری بربادی، میں تیرا وارث اور تو میرا، میں تیرے عوض طلب کیا جاؤں اور تو میرے بدلے، بس اتنے عہد پر دونوں میں سے جو بھی پہلے لقمہ اجل بنا۔ دوسرا اس کے مال میں حقدار ہوا۔

### وراثت بربنائے محبت

زمانہ جاہلیت میں اگر طبقہ مہاجرین کے دو افراد میں باہم خلوص و محبت کا رشتہ پیدا ہو گیا تو ایک مہاجر دوست دوسرے مہاجر کا وارث ہوگا اور ترکہ پائے گا اگرچہ باہم کوئی قرابت نہ ہو اور عزیز قریب اگر مہاجرین میں سے نہیں ہے تو اس کو کچھ نہ ملے گا حضور ختمی مرتبت نے جب صحابہ کے درمیان بھائی چارہ کیا اور ایک دوسرے کو بھائی بنایا تا کہ دو ہم خیالوں میں مزید قربت ہو جائے اور جو اپنے بھائیوں سے بچھڑ گئے تھے ان کو بھائی مل جائیں تو اس کو بھی سبب وراثت قرار دے دیا گیا لیکن دین اسلام نے اس کو بھی نقص سمجھ کر توڑا اور سورہ انفال میں ارشاد کیا گیا کہ (وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ) یعنی خونی عزیزوں میں بعض کو دوسروں پر برتری حاصل ہے۔

ایک اور واقعہ جو ان مراسم باطلہ کا شاہد ہے ابن عباس نے اس کو نقل کیا ہے کہ عہد رسالت میں اوس بن ثابت انصاری کا

انتقال ہوا اور انھوں نے ایک زوجہ اور تین بیٹیاں چھوڑیں ان کے دو چچا زاد بھائی آئے جو ان کے وصی تھے ”سوید“ اور ”عرفجہ“ نام تھا اور سارا مال لیکر چل دیئے اور بے چاری سوگوار شوہر دیکھتی رہ گئی بارگاہ کرم میں حاضر ہوئی عرض حال کیا ارشاد ہوا کہ گھر واپس جائیں اس معاملہ میں حکم باری کا منتظر ہوں جیسا کہ حکم ہوگا تجھ کو اطلاع دی جائے گی فوراً یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (لِلزَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا) یعنی مردوں کا بھی والدین اور اقارب کے ترکہ میں حصہ ہے اور عورتوں کا بھی اور یہ حق واجب الادا ہے اسی وقت سرچشمہ کرم نے دونوں کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس کے مال کے قریب مت جانا سب اس کے وارثوں کو ملے گا۔

اسی پر اکتفا نہ کیجئے اور ملاحظہ فرمائیے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر حقوق دیئے ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد اگر خدا نخواستہ عورت سے ناراض ہو گیا تو اس نے قسم کھالی کہ میں اس کے قریب نہ جاؤں گا۔ اب نہ یہ اس سے مقاربت کرتا نہ وہ دوسرا عقد کر سکتی بیچ میں لٹکی ہے۔ مقصد صرف اس کو تکلیف دینا ہے اور کچھ نہیں کیونکہ وہ مطلقہ ہے نہ شوہر دار ہی ہے اسلام میں بھی کچھ دنوں تک اسی رسم پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ مگر خدا نے اپنے پسندیدہ دین میں ایسی بات پسند نہ کی اور چار مہینے کی مہلت غور و فکر کے لئے دے دی۔ عورت کو چاہئے کہ ایسی صورت پیش آنے پر حاکم شرع کی جانب رجوع کرے وہ اس کو چار مہینے کی مہلت دے گا اور پھر مرد کو مجبور کرے گا کہ چاہے کفارہ دے کر بی بی سے میل کرے یا طلاق دیکر اس کے عرصہ حیات کو وسیع بنائے۔

### کیا عورت بھی ترکہ ہے؟

اسلام کے قبل عرب میں یہ بیہودہ رواج تھا کہ جب کوئی مر جاتا تھا تو جو اس کا وارث ہوتا تھا اس کی بیوہ بیوی کے سر پر کپڑا اوڑھا کر پہلے ہی شوہر کے مہر پر اس کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا یا اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دیتا تھا اور جس مہر کی حقدار وہ تھی اس

اچھا سلوک کرو۔

### دورِ جاہلیت کی ایک اور رسم

اسی طرح زمانہ جاہلیت کی ایک اور رسم یہ تھی کہ اگر کسی کا دل کسی اور عورت سے نکاح کی طرف مائل ہو تو اس نے اپنی نامرغوب بیوی کو زنا کی تہمت لگائی تاکہ جو مال اس کو بصورت مہر دے دیا ہے وہ اس کے پاس پھر یوں واپس ہو کر آجائے کہ وہ بے چاری اس جرم کے فدیہ میں سب مال دے دے اور دوسری مرغوب بیوی کا مہر ادا کیا جاسکے اور مہر نہیں دیا ہے تو اپنے کو اس دین سے یوں سبکدوش کر لیتا تھا کہ وہ اسی جرم کی پاداش میں سوخت ہو گیا اور جب سوخت ہو گیا تو اس کو آسانی سے طلاق دیدی اور دوسری سے اپنا کام بنایا۔ اسلام نے اس منحوس رواج کو توڑا اور یہ قانون بنایا کہ اگر واقعی وہ ارتکاب فواحش کریں تو تم ان کو نقصان پہنچا سکتے ہو ورنہ تم اس مال عظیم کو جو بصورت مہر دیا گیا ذرا بھی واپس نہیں لے سکتے اور نہ مہر کو تہمت لگا کر سوخت کر سکتے سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے (وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانٍ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا اتَّأَخُّذُهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا) وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنُمُكُم مِّنْهُنَّ مِيثَاقًا غَلِيظًا) اگر تم ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ کرنا چاہتے ہو تو تم کو اس کا اختیار ہے کہ مہر دے دو اور طلاق دیکر دوسری کر لو لیکن جو مال کثیر بصورت مہر تم اس کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ لینا گناہ عظیم ہے کیونکہ بہتان لگا کر لینا ظلم صریح ہے کیا تمہاری غیرت اس کی متقاضی ہے کہ تہمت لگا کر اور جرم صریح کا بہتان باندھ کر واپس لے لو خصوصاً جب کہ تم باہم خلوت کر چکے ہو اور وہ تم سے نکاح کے وقت نفقہ وغیرہ کا پکا اقرار لے چکی ہے تو پھر تم اس مال کو کیونکر لے سکتے ہو۔

یہ ہے اسلامی انصاف اور حقوق کی نگہداشت جس نے (عاشروہن بالمعروف) کا حکم دے کر عورتوں کے حقوق کو محفوظ کر دیا اور ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا حکم دیا۔

پر خود صاحب اختیار ہو جاتا تھا۔ یہ ایک عجب طرح کا تسلط و اقتدار تھا جو مرنے والے کی بیوی پر وارث کو حاصل ہوتا تھا۔ اس کو یہ حق بھی عرب کی جہالت نے دے رکھا تھا کہ وہ عورت کو مقید کر دے اور اگر وہ چھٹکارا پانا چاہے تو جو کچھ ترکہ اس کو اپنے شوہر سے ملا ہے۔ وارث کے حوالے کرے اور یوم نجات منائے ورنہ قید میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دے اور یوں بھی سارا مال وہی وارث پائے۔ اسلام آیا اور اس کے ابتدائی دور میں بھی یہ قاعدہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ابوقیس انصاری کی موت اس جاہلانہ قانون کی برطرفی کا وسیلہ بنی اس کا قصہ یوں ہے کہ اس کا پیانا عمر لبریز ہوا اور اس کی بیوی ”کبیشہ“ اس احقانہ رواج کی زد میں آئی۔ ابوقیس کا ایک لڑکا ایک اور زوجہ سے تھا وہ اپنی سوتیلی ماں کے آفت رسیدہ سر پر رداء تعدی اوڑھا کر اپنے تصرف میں لایا۔ اور شدا اند کرنے لگا بیچاری کہاں تک ستم سہتی آ کر سرچشمہ رحمت کی خدمت بابرکت میں فریادی پہنچی آپ نے حالات سنے اور فرمایا کہ واپس جا میں حکم خدا کا منتظر ہوں جو کچھ وحی آئے گی تجھ کو مطلع کیا جائے گا۔

یہ خبر مدینے میں پھیل گئی اور دوسرے دن بہت سی عورتیں جو اس رسم قبیح کا شکار تھیں فریادی بن کر حاضر ہوئیں اس وقت مالک تکوین نے حکیم عرب کے پاس یہ حکم ارسال کیا کہ اے اہل ایمان تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے مورث کی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور زبردستی ان سے نکاح کر لو تم اس کے مال کے وارث ہو سکتے ہو نہ ازواج کے میں ان پر نہ تم کو کوئی حق ہے نہ اختیار دیکھئے سورہ نساء میں یہ حکم یوں آتا ہے۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا) اس کے بعد یہ حکم ہوتا ہے کہ تم کو یہ حق نہیں کہ ان کو دوسرے سے نکاح نہ کرنے دو تاکہ شوہر کے ترکے سے جو کچھ ان کو حق پہنچتا ہے اس میں سے کچھ دبا لو (وَلَا تَغْضَلُوهُنَّ لِتُدْهِنُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ) اس کے بعد یہ تاکید کی جاتی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (وَغَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) یعنی مرنے والے کی بیبیوں کے ساتھ

☐

مسیحیہ میں کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔

وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوع کی طرف لیجانے والی ہے۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔ کرائی سوٹم جو کہ مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے۔

ایک ناگزیر برائی ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت  
ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گردلہا، ایک آراستہ مصیبت۔

ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ مرد و عورت کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل احترام چیز ہے خواہ وہ نکاح ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجرد و دویشیزگی معیار اخلاق قرار پائی اور تامل کی زندگی پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ و تقدس اور بلندی اخلاق سمجھنے لگے پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے واسطے یہ ضروری ہو گیا کہ باتو آدمی نکاح ہی نہ کرے اور اگر کر لیا ہو تو میاں بیوی زن

وشوئی تعلق نہ رکھیں۔ یہ قوانین بنائے گئے کہ چرچ کے اہلکار اور صاحبان منصب اپنی بیویوں سے تخلیہ میں نہ ملیں ہمیشہ یہ ملاقات کھلی جگہ میں ہو اور کم از کم دو غیر آدمی وہاں ہوں۔ یہ بھی ایک قاعدہ تھا کہ جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے کی رات جن میاں بیوی نے ایک جگہ بسر کی ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے گویا انھوں نے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس کام میں عملی حصہ لینے کے قابل نہیں رہ گئے۔ اس راہبانہ تصور نے تمام خاندانی تعلقات کو حتیٰ کہ ماں اور بیٹے کے تعلق کو تلخ کر دیا۔ اور وہ ہر رشتہ گندگی اور گناہ بن کر رہ گیا جو نکاح کا نتیجہ ہو۔

یہ تھے مسیحی شریعت کے قوانین۔ معاشی حیثیت سے عورت کو بالکل بے بس کر کے مرد کے قابو میں دے دیا گیا تھا وہ خود اپنی محنت کی کمائی پر صاحب اختیار نہ تھی اس کی ہر چیز کا مالک اس کا شوہر تھا۔ وراثت میں اس کے حقوق عرب کے دورِ جاہلیت سے ملتے جلتے تھے اور بے حد محدود تھے۔ اس کو طلاق یا خلع کی بالکل اجازت نہ تھی جس قدر بھی باہمی اختلافات رونما ہوا کریں اور روز کے جھگڑوں کی وجہ سے گھر جہنم ہی کیوں نہ ہو رہا ہو لیکن قانونِ حکومت بھی ان دونوں کو جدا ہونے سے روکتا تھا اور قانونِ شریعت بھی۔ اگر حالات زیادہ بد سے بدتر ہوئے تو اتنی اجازت تھی کہ دونوں الگ ہو کر زندگی گذاریں۔ نکاح ثانی کی اجازت نہ مرد کو تھی نہ عورت کو۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو کس قدر غلط حکم تھا بلکہ پہلی صورت اچھی تھی کہ ایک دوسرے سے بندھے رہیں کیونکہ علیحدگی اختیار کرنے کے بعد اب صرف یہی چارہ کار رہ گیا کہ دونوں راہب و راہبہ بن جائیں یا پھر تمام عمر بدکاری کرتے رہیں۔ ایک اور ناموزوں اور ناہموار طریقہ یہ تھا کہ شوہر کے مرنے کی صورت میں عورت کے لئے اور زوجہ کے انتقال کے بعد شوہر کے لئے نکاح ثانی ناقابلِ غفلت تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۸ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)



## مرثیہ: درحال سیدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام (بند ۲۱۳)

تصنیف: رجب ۱۳۳۲ھ

دعبل ہندنواب مولانا سید فرزند حسین ذاکر اجتہادی

(۱)

ہاں زباں گرمی بازارِ محبت دکھلا  
ہر جن و انس کی اک چیز پہ رغبت دکھلا  
جس نے آئینہ کو چھوڑا ہے وہ صورت دکھلا  
ایک سودے پہ خریداروں کی کثرت دکھلا  
دل کے ارماں کی طرح دیکھنے کا ذوق بڑھے  
اُس طرف نرخ زیادہ ہو، ادھر شوق بڑھے

(۲)

بچ میں عشق ہے اور گرد ہے عالم کا ہجوم  
گرے پڑتے ہیں جو قیمت نہیں ہوتی معلوم  
یہ صدا دیتے ہیں بازار میں قلبِ مغموم  
آئیں ہیں دور سے لینے کو، نہ رکھنا محروم  
چاہے جاں جائے کہ رہ جائے مگر ہم لیں گے  
جو کسی نے بھی نہ دی ہوگی وہ قیمت دیں گے

(۳)

اس طرف پوچھ رہا ہے یہ دلوں کا سودا  
اُس طرف آتی ہے یہ بیچنے والوں کی صدا  
دیکھو دیکھو نہیں اس جنس کا لینا اچھا  
دل کے ہاتھوں نہ زمانے میں کہیں ہو رسوا  
شہر چھٹ جائے گا صحراؤں میں مسکن ہوگا  
جس سے سودا یہ خریدو گے وہ دشمن ہوگا

(۴)

کہیں بدتر ہے اسیری سے رہائی اس کی  
عقل والوں سے بھی پنہاں ہے برائی اس کی  
مانتے ہیں دلِ عشاق خدائی اس کی  
خون کی طرح رگوں میں ہے رسائی اس کی  
مرنے والوں کا لہو جسم سے گھٹ جاتا ہے  
درد کی طرح یہ ہر قلب میں بٹ جاتا ہے

(۵)

ہے جدا سارے زمانے سے مصیبت اس کی  
ہو جو الجھن تو بہلتی ہے طبیعت اس کی  
رنگ چہرے کا اڑے شوخ ہو رنگت اس کی  
فرض ہو جاتی ہے کچھ ایسے اطاعت اس کی  
حاصلِ عشق سمجھتے نہیں مرنے والے  
سجدہ پتھر کو بھی کر لیتے ہیں کرنے والے

(۶)

اس کے زخمی نہیں عالم میں سنبھلنے والے  
ہیں وہ ارماں جو نہیں دل سے نکلنے والے  
بیڑیاں پہنے ہیں جنگل کے بہلنے والے  
روز بے آگ جلا کرتے ہیں جلنے والے  
خونِ رگ سامنے ہو جائے تو ضو دیتا ہے  
آئینہ عشق کو دکھلاؤ تو لو دیتا ہے

(۷)

یہ وہی عشق ہے گھر جس نے کئے لاکھوں خراب  
عقل ہو جاتی ہے اس جنس کو لے کر نایاب  
حسن سے حسن کا ہوتا ہے زمانے میں جواب  
یہ نہ سمجھے کہاں پیری کہاں ایامِ شباب  
کم یہ قصہ نہیں عالم میں تاسف کے لئے  
اک ضعیفہ گئی بازار میں یوسف کے لئے

(۸)

مختصر یہ ہے کہ شوق اس کا ہے رنجِ جانکاہ  
دیکھ لو کھوٹے کھرے زر کو جو رکھتے ہونگا  
مانگو اس عشق کی سودے سے زمانے میں پناہ  
چلنے والوں کو گرا دیتی ہے بیہڑ ہو جو راہ  
ناتوانی سے نہ جب جسم کا بار اٹھتا ہے  
ہاتھ اس وقت پکڑنے کو غبار اٹھتا ہے

(۹)

اُس طرف تو یہ نصیحت ہے ادھر ہے یہ بیاں  
ارے او بیچنے والے ہے تری عقل کہاں  
تجھ سے ہم عشق مجازی کے نہیں ہیں خواہاں  
قلبِ راغب ہے پئے الفتِ خلاق جہاں  
جس کا حاصل نہیں کچھ اس کے طلبگار نہیں  
جنسِ ناقص کے زمانے میں خریدار نہیں

(۱۰)

انبیاء نے جسے عالم میں خریدا ہو وہ دے  
جس کی صورت میں سرطور کا جلوہ ہو وہ دے  
جس کے چہرے کو کسی نے بھی نہ دیکھا ہو وہ دے  
شبِ وحدت کا جہاں میں جو سویرا ہو وہ دے  
کوئی سنتا نہیں نالہ دلِ شیدائی کا  
دل میں لے جاؤں گا مونسِ شبِ تنہائی کا

(۱۱)

خود سمجھتا ہوں نہیں ہے یہ محبت آساں  
خاک ہو جائے تو اس راہ میں عزت ہو عیاں  
ورنہ گر جائے گا اک دن صفتِ اشکِ انساں  
مرضِ عشق کی ثابت قدمی ہے درماں  
امتحان دینے میں گر صبر میں دکھلاؤں گا  
سرمہ کی طرح سے آنکھوں میں جگہ پاؤں گا

(۱۲)

کون بے سمجھے ہوئے ہوتا ہے اس کا مشتاق  
دل فدا عشق پہ رہتے ہیں میانِ آفاق  
جنس لے لیتے ہیں جس وقت تو ہو جاتی ہے شاق  
تجھ کو کیا یاد نہیں جنت و آدم کا فراق  
غم کے چلے کو سرِ کوہِ گراں کھینچا ہے  
مدتوں آنسوؤں میں عکسِ جناب کھینچا ہے

(۱۳)

امتحان میں رہے ناکام جنابِ آدم  
دمبدم مشکلیں پڑتی گئیں، بڑھتا گیا غم  
وہ اثر پھیل گیا جس کو سمجھتے رہے کم  
ترکِ اولیٰ جو ہوا، چھوٹ گیا باغِ ارم  
کوہ کی گھاٹیوں میں نقشِ خُحل ڈھونڈھے  
رات کو آنسوؤں کی لے کے ضیا گل ڈھونڈھے

(۱۴)

عشق ایسا مجھے عالم میں نہیں ہے درکار  
جس پہ جاں دوں ہو وہی حالتِ دل سے بیزار  
مطمئن کچھ تو کریں زردیِ رخ کے آثار  
کم سے کم اتنا وہ سمجھے کہ مرا ہے بیمار  
صبر وہ صبر ہو عالم میں جو رسوا نہ کرے  
دل کی بیتابیاں دیکھے اگر اچھا نہ کرے

(۱۵)

گو یم عشقِ حقیقی کا قیامت تھا خروش  
امتحان دینے پہ بھی نوخ کے سالم رہے ہوش  
آسمان بھی کفِ دریا سے رہا پنبہ بگوش  
آبِ جوشیدہ تنور کا اللہ رے جوش  
گل تہہ آبِ رواں عالمِ ایجاد آیا  
اتنا اونچا ہوا پانی کہ خدا یاد آیا

(۱۶)

الفتِ نوخ میں دل کون سا لاسکتا ہے شک  
اتنا روتے تھے کہ ترا شک سے رہتی تھی پلک  
کھنچ کے خورشید کی آجاتی تھی اشکوں میں چمک  
کاٹ دی اتنی بڑی عمر تہہ سقفِ فلک  
دل میں جو راز رہا اس کی حقیقت دیکھی  
دھوپ کے آئینہ میں عشق کی صورت دیکھی

(۱۷)

عشقِ ایوب کی حالت ہے جہاں پر روشن  
جسمِ نازک میں رہا کیڑوں کا برسوں مسکن  
گو زباں تھی پہ نہ فریاد سے واقف تھا دہن  
رشتہ صبر کے ٹاکوں سے سینے زخم کہن  
تازہ گل کرتی ہوئی بادِ بہاری نکلی  
عشق کی زخم کے کوچوں سے سواری نکلی

(۱۸)

حدِ الفت کا پتا دے رہا ہے رازِ خلیل  
تھی کہاں موجِ ہوا پر کوئی بچنے کی سبیل  
لاکھ پوچھا کئے حاجت کو جنابِ جبریل  
کہہ دیا جس کا میں عاشق ہوں وہی ہوگا کفیل  
حکم کس کا تھا جو شعلہ نہ شرر ریز ہوا  
آگ گل ہو گئی جب سوزِ جگر تیز ہوا

(۱۹)

نظر آتی ہے محبت کی نرالی دنیا  
منحصر ہے کہیں بچ جانے پہ انجام اس کا  
کہیں بے جاں دیئے جاتا نہیں دل کا سودا  
خلق میں حضرتِ یحییٰ نے دیا سر اپنا  
آگ جو دل میں نہاں تھی وہ شرر ریز ہوئی  
عشق بڑھتا ہی گیا جتنی چھری تیز ہوئی

(۲۰)

جانتے تھے دمِ گریہ یہ جنابِ یحییٰ  
امتحان لے رہا ہے خود مرے رونے کا خدا  
پاکے منظورِ نظر دل میں شرف اور بڑھا  
اپنے اشکوں کا نہ دامن سے علاقہ رکھا  
زخم میں بہتے ہوئے آنسوؤں کو لینے لگے  
بڑھ گئی قدر تو چہرے پہ جگہ دینے لگے

(۲۱)

بعض نے توبہ رہِ عشق میں کر لی ڈر کے  
بعض نے پائے محبت کے صلے مر مر کے  
اضطرابِ دلِ موسیٰ نے جسارت کر کے  
اک نیا راستہ پیدا کیا نالے بھر کے  
جس پہ وارفتہ تھی گر پاس نہ تھا دور تو تھا  
کچھ ہو، فرضی ہو کہ اصلی ہو، کوئی نور تو تھا

(۲۲)

مگر اس راز سے ماہر تھا نہ قلبِ غمگین  
تابِ نظارہ رخ آنکھ اٹھانے کی نہیں  
کر تو لی دل کے تقاضے نے ضیا بار میں  
تھا مگر قلب کہیں، ہوش کہیں، آب کہیں  
لاکھ چاہا کئے پر حسن کی منزل نہ ہوا  
جس پہ نازاں تھے وہی دل متحمل نہ ہوا

(۲۳)

دل کو تصویر کشِ روئے تمنا دیکھا  
آنکھ نے آئینہٴ برق میں جلوہ دیکھا  
جس کو بتلا نہ سکے خود وہ سراپا دیکھا  
لے گئی تو ہوس دید مگر کیا دیکھا

بات کرنے کا تقاضا رہا یوں بات ہوئی  
جس کو ملنا نہیں کہتے وہ ملاقات ہوئی

(۲۴)

میں اگر ہوتا تو یہ عرض ادب سے کرتا  
عشق صادق تھا زمانے میں ضرور اے موئی  
ضد تھی جس امر پہ جا کر اسے بیشک دیکھا  
کیا کریں آپ کہ دل خود متحمل نہ ہوا

الفت عاشق و معشوق کو بے حد دیکھیں  
چل کے ہم آپ ذرا عشقِ محمد دیکھیں

(۲۵)

آپ کی گو یہ حکایت ہے زمانے میں عجیب  
طور سے بڑھ کے بلندی ہوئی لیکن نہ نصیب  
ہوس دید میں بھی دور رہا دل سے حبیب  
دیکھئے آئیں ہیں یہ پردہ وحدت کے قریب

وجہ حیرت نہ ہو خالق کے دل کی آواز  
کیجئے ان پہ نظر، سنئے علیٰ کی آواز

(۲۶)

کیا گذر جاتی ہے ہو جائے اگر قلب ملول  
جان جاتی ہے جو بیماری دل کرتی ہے طول  
آپ تو خوب سمجھتے ہیں محبت کے اصول  
کس کا یہ ہاتھ تھا آیا جو سرِ پشتِ رسول

یہ شرف خلق میں ہے باعثِ حیرت کہ نہیں  
ہاتھ حیدر کا ہوا بھی یدِ قدرت کہ نہیں

(۲۷)

کون وہ عشق تھا جس کا یہ نمایاں تھا اثر  
کون وہ درد تھا جز حق کے نہ تھی اک کی خبر  
کون وہ سوز تھا پنہاں تھا جو دل کے اندر  
کون وہ آگ تھی جو ہوگئی منظورِ نظر

رات کو لینے ملک حق کا دمِ فرش گیا  
دل کا بھڑکا ہوا شعلہ تھا جو تا عرش گیا

(۲۸)

کہیں چھپ سکتا ہے جو امر ہو دل کو مطلوب  
حد کی ایذا کو گوارا نہیں کرتا محبوب  
اثرِ آتشِ قربت کو سمجھتا تھا وہ خوب  
شبِ معراج سے ہوتی جو نہ تالیفِ قلوب

طور سینا کی طرح دل کے مکاں جل جاتے  
اُف اگر منہ سے نکلتی تو جہاں جل جاتے

(۲۹)

بارِ اس کا نہ اٹھا سکتی کبھی عقلِ سلیم  
انتہا اس کی سمجھتی تھی جو وہ ذاتِ کریم  
حالِ دل اچھی طرح جانتا تھا لطفِ عیم  
آگ یہ صلب میں اللہ نے کردی تقسیم

اثرِ سوزِ ثریا سے سمک تک پہنچا  
اُتنا باقی رہا حصّہ جو فلک تک پہنچا

(۳۰)

قلب کرتے رہے اس طرح سے مہمانی عشق  
آئینہ رخ کو دکھاتی رہی حیرانی عشق  
ہوگئی بکھری ہوئی زلفِ پریشانی عشق  
اور کیا ہو اثرِ سلسلہ جنابانی عشق

سوزِ دردِ پدری قلبِ پسر تک پہنچا  
ایک شعلہ تھا جو چودہ کے جگر تک پہنچا

(۳۱)

محض اک فرد کا اُن میں سے بیاں کرنا ہے حال  
عشق وہ عشق تھا جس کی نہیں عالم میں مثال  
کھینچ کے آئینہ امکاں میں رہی شکلِ محال  
تھا وہی حاصل معراج جو تھی حد کمال  
خود محبت بھی محبت کا اثر دیکھتی تھی  
جلوہ پردہ قدرت کو نظر دیکھتی تھی

(۳۲)

ہے تعجب کہ کہاں عرش کہاں سطحِ زمیں  
مگر اس عشق کے عالم سے جدا تھے آئیں  
امتحان گاہِ محبت میں دل اتنا تھا قریں  
نور جس طرح سے ہو آنکھ کی پتلی میں مکیں  
سرحدِ دشتِ ستمِ حُسن سے معمور رہی  
منزلِ قدس رہی جلوہ گہرہ طور رہی

(۳۳)

کس نے اس طرح سے عالم میں لیا ہے سودا  
دم بدم ہاتھ غیبی کی یہ آتی تھی صدا  
امتحان دینے میں کیوں اتنی اٹھاؤ ایذا  
ہم پہ بھی شاق ہے دردِ جگری کا صدمہ  
محو اک آن میں دل سے غم بے حد کردیں  
تم جو راضی ہو تو دم بھر میں بلا رد کردیں

(۳۴)

غم ہمیں ہے جو ستاتی ہے مصیبت تم کو  
خوب ہم جانتے ہیں ہے جو محبت تم کو  
لائے گی حدِ تقرب تک الفت تم کو  
نہ ملے گا مگر اک تاجِ شفاعت تم کو  
منتخب سارے رسولوں سے کیا ہے ہم نے  
وہ بھی کم ہوگا نہ رتبہ جو دیا ہے ہم نے

(۳۵)

یہاں کہنا نہیں آرام جگر تیرے بغیر  
اب تو ہے خلق میں راحت کو مری بخت سے بیر  
نہ ہوا راہ میں تیری اگر انجامِ بخیر  
کیا کہیں گے مرے اس عشق کو سن کر تیرے غیر  
دل کی خواہش ہے کہ طے راہ رضا ہو جائے  
تجھ سے وعدہ جو کیا ہے وہ وفا ہو جائے

(۳۶)

اس میں عباس ہوں یا قاسم و عون و جعفرؑ  
تجھ سے بڑھ کر نہیں اک کی بھی محبت کا اثر  
ہے ترقی الم وجہ تسلی جگر  
خوش ہوں بے حد جو تری راہ میں اُجڑے مرا گھر  
کبھی زخمِ جگر و قلب کا شکوہ نہ کروں  
دل کی بیتابیاں بڑھنے پہ بھی نالہ نہ کروں

(۳۷)

واہ کیا عشق تھا کیا وعدہ وفائی کا خیال  
سبطِ احمدؑ نے سہا قلب پہ ہنس ہنس کے ملال  
بے خطا قتل ہوئے دشت میں سب وقتِ جدال  
باغِ زہرِا و علیؑ کا ہوا رن میں پامال  
گو ہر اک غم میں نئے درد کے پہلو نکلے  
جس سے ضائع نہ ہوا صبر وہ آنسو نکلے

(۳۸)

پہلے مقتل سے ہر اک دوست کا لائے لاشا  
بعد اس کے چمنِ مسلمِ مظلوم لٹا  
رن میں تاراج ہوا خانہ بیتِ زہرِا  
قتل میدان میں اک رات کا دولہا بھی ہوا  
دل تپاں شہ کا کیا داغِ جدائی دے کر  
سو رہے چین سے عباسِ ترائی لے کر



(۳۹)

تھی بلاؤں پہ بلا سبط پیہر کے لئے  
 نہ ملا دل کو سکوں دشت میں دم بھر کے لئے  
 بھائی کا غم بھی نہ کافی ہوا سروڑ کے لئے  
 روئے کچھ دیر شباب علی اکبر کے لئے  
 دفعتاً جس کے بچھڑ جانے نے دل توڑ دیا  
 تین دن کے لئے بے گور اُسے چھوڑ دیا

(۴۰)

ہائے کیا کیا نہ ہوا اک دل شہ پر صدمہ  
 پھر مکاں میں گئے بعد علی اکبر مولا  
 جس سے عالم تہہ و بالا ہوا وہ عزم کیا  
 آئے میدان میں اک چھوٹا سا لے کر ہدیہ  
 وجہ تسکین دل شاہِ امم تھا بچہ  
 ناقہ حضرت صالح سے نہ کم تھا بچہ

(۴۱)

پیاس کی وجہ سے اصغر کا بہت غیر تھا حال  
 کر رہے تھے طلب آب شہ نیک خصال  
 رن میں خواہانِ ستم تھی سپہ بد افعال  
 تیر تھے سے گلے پر پڑا ہنگام سوال  
 منہ سے وعدہ جو کیا تھا وہ وفا کر کے پھرے  
 یہ بھی ہدیہ رہ خالق میں فدا کر کے پھرے

(۴۲)

کر چکے حق کی محبت میں جو اک اک کو فدا  
 سجدہ شکر کیا درگہ خالق میں ادا  
 رن سے یہ کہہ کے چلے جانب در شاہ ہدا  
 مرحلہ دشت میں اب اپنے سر و تن کا رہا  
 جب رواں ہوگی چھری قلب نہ نالاں ہوگا  
 اس کی تائید سے یہ امر بھی آساں ہوگا

(۴۳)

فکر یہ کرتے ہوئے ڈیوڑھی تک آئے شہ دیں  
 مضطرب تھا جو زیادہ دل بیتاب و حزیں  
 رانڈوں سے کہنے لگا دوش محمد کا مکیں  
 قتل سب ہو گئے مقتل میں کوئی پاس نہیں  
 کون باقی ہے جسے بھیج دو نصرت کے لئے  
 اب تو کہنا پڑا مجھ کو بھی اجازت کے لئے

(۴۴)

دیکھا جاتا نہیں ان آنکھوں سے اجڑا ہوا گھر  
 اب نہ زندہ علی اکبر ہیں نہ باقی اصغر  
 ماں کی گودی سے نہ ہوتا تھا جدا جو دم بھر  
 آج اکیلا وہی سوتا ہے لحد کے اندر  
 خاک میں جذب لہو ہو گیا آنسو کی طرح  
 خشتِ تربت تہہ سر رکھے ہے زانو کی طرح

(۴۵)

دل لہو کر گیا ہر لختِ جگر کا صدمہ  
 آنکھیں گو ڈھونڈھتی ہیں پھر نہیں ملتا ہے پتا  
 اب تو بعد علی اصغر نہیں جینے کا مزا  
 کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے اندھیرے کے سوا  
 چشمِ تربت میں نہاں نور نظر اپنا ہے  
 جس میں جا کر رہے اولاد وہ گھر اپنا ہے

(۴۶)

دل دکھاتی ہوئی آئی جو یہ خیمہ میں صدا  
 ہائے اے ننھے مسافر یہ ہوا شور بپا  
 بھائی سے بڑھ کے یہ کہنے لگیں بنت زہرا  
 لیجئے اصغر معصوم کا آکر پرسا  
 آپ اگر آئیں تو پھر کیوں رہیں مضطرب رانڈیں  
 پیٹ کر سر کو نکل آئیں گی باہر رانڈیں

(۴۷)

آئی جب سرورِ دیں تک یہ صدائے ہمیشہ  
گئے سر خم کئے خیمہ میں امامِ دلگیر  
ہمہ تن درد کی دکھلائی جو رخ نے تصویر  
اس سے بہتر نہ بنی کوئی بہن سے تدبیر  
اپنی تنہائی پہ آوارہ وطن رونے لگی  
سینے سے بھائی کو لپٹا کے بہن رونے لگی

(۴۸)

رو کے زینبؓ نے اُسی جوش بکا میں یہ کہا  
ہو گئے باپ کی گودی سے جدا اے بیٹا  
دشتِ غربت میں پسند آیا اکیلے رہنا  
تم نے کچھ ماں کا خیال اے علی اصغرؓ نہ کیا  
اپنا چھوٹا ہوا فرزند کہاں پائے گی  
دل جو تڑپے گا تو راتوں کو نہ نیند آئے گی

(۴۹)

کیوں نہ شبیرؓ کا پردیس میں ہو دل تھوڑا  
ہائے تنہائی میں ایک ایک نے منہ کو موڑا  
تیر نے ننھی سی گردن کی طرح دل توڑا  
چھ مہینے کا بھی بچہ نہ قضا نے چھوڑا  
صفتِ شانہ دل اُلجھا ہوا گیسو میں نہیں  
چاند سی شکل اب آئینہ زانو میں نہیں

(۵۰)

دیر تک نالہ ہمیشہ پہ روتے رہے شاہ  
تھا جو بے حد دلِ شبیرؓ پہ رنجِ جانکاہ  
بولا خواہر سے یہ لختِ جگرِ شیرِ الہ  
جز خدا حالتِ دل سے نہیں کوئی آگاہ  
کر نہیں سکتیں تم آساں کبھی اس مشکل کو  
دور اجل جتنی ہے اتنا ہے تحملِ دل کو

(۵۱)

اثرِ غم نے لہو کر دیئے ہیں قلب و جگر  
اذن بالفرض نہ دو تم مجھے مرنے کا اگر  
داغ اٹھارا کچھ اس طرح پڑے ہیں دل پر  
جس سے آتی نہیں بچنے کی کوئی شکل نظر  
اب وہ ہے کون سی حسرت جو نکل جائے گی  
مجھ پہ ہر طرح چھری موت کی چل جائے گی

(۵۲)

شاہ کا حال مصیبت جو یہ زینبؓ نے سنا  
عرض کرنے لگیں دل تھام کے سچ ہے بھیا  
بعد ان بچوں کے ہے کون سا جینے کا مزا  
روکنا آپ کا غربت میں نہایت ہے برا  
کون وہ درد ہے مخفی جو فسانے میں نہیں  
پسرِ فاطمہؓ بچنے کا زمانے میں نہیں

(۵۳)

اک مری سارے زمانے سے بری ہے تقدیر  
مجھ سے بنتی نہیں مر جانے کی کوئی تدبیر  
چھوڑے جاتے ہیں مجھے دشت میں تنہا شبیرؓ  
دور اُن بچوں سے زینبؓ ہے نہ تھا جن کا نظیر  
لحدیں پاؤں گی اشکوں سے بھگونے کے لئے  
ہائے زندہ ہوں میں ایک ایک پہ رونے کے لئے

(۵۴)

خیر جو آپ کی مرضی مجھے کچھ عذر نہیں  
لیکن اتنا تو بتاتے ہوئے جائیں شہ دیں  
کس سے پوچھوں گی کہ بیہوش ہیں سجاد حزیں  
کیا کروں گی جو جلانے گا مکاں لشکرِ کیں  
بھائی کا اذن ہے سر ننگے نکلنے کے لئے  
یا اجازت ہے مجھے آگ میں جلنے کے لئے

(۵۵)

یہ عجب طرح کا زینبؑ نے کیا شہ سے سوال  
فرط غیرت سے ہوا قلب کو اس درجہ ملال  
اشک دامن پہ گرے آنکھ سے چہرہ ہوا لال  
چپکے بیٹھے رہے تا دیر شہ نیک خصال  
جتنا جوش آیا تھا اشک اُتے مگر بہہ نہ سکے  
آپ اس امر میں ہمیشہ سے کچھ کہہ نہ سکے

(۵۶)

دیر کے بعد کہا بھی تو یہ سرور نے کہا  
مجھ سے رکھا نہیں خالق نے تعلق اس کا  
یہ تو ہے خلق میں سجادِ حزیں کا حصہ  
تم سے عابد جو مرے بعد کہیں وہ کرنا  
ابھی کچھ اور بھی اس گھر کی تباہی ہوگی  
وہ بتا دیں گے جو مرضی الہی ہوگی

(۵۷)

کہہ کے اٹھ بیٹھے یہ ہمیشہ سے شاہنشہ دیں  
بھائی کے ہجر سے سر پیٹ کے زینب روئیں  
ہل گئی رانڈوں کے نالوں سے جو خیمہ کی زمیں  
چونک کے غش سے یہ کہنے لگے سجادِ حزیں  
کون بیٹابیوں سے کرتا ہے زاری فصّہ  
کس کی خیمہ سے نکلتی ہے سواری فصّہ

(۵۸)

عرض کی اس نے کہ سب ہو گیا گھر شہ کا تباہ  
وہ چھپے پردہ خوں میں کہ جو تھے نورِ نگاہ  
زندہ کچھ دیر کو اک رہ گیا ہے خلق کا شاہ  
اُس کی رخصت کے لئے گھر میں یہ کہرام ہے آہ  
خیمہ میں بہر شہنشاہِ زمن روتی ہے  
بھائی کے ہجر سے ناشاد بہن روتی ہے

(۵۹)

رو کے فصّہ سے یہ فرمانے لگے عابد زار  
جا مری سمت سے نزدیک شہ عرش وقار  
جوڑ کر دست ادب رو کے یہ کرنا گفتار  
آپ سے چھوٹ کے مرجائے گا دم میں بیمار  
دیکھنے یا سرِ بالیں مری آئیں مولا  
پاس اپنے مجھے یا جلد بلائیں مولا

(۶۰)

آئیں یہ سن کے قریب شہ والا فصّہ  
حالِ دردِ دل بیمارِ حزیں عرض کیا  
سن چکے شہ جو مریضِ تپِ غم کا قصہ  
پاس سجاد کے روتے ہوئے آئے مولّا  
دلِ شبیر کو اُلٹا اثرِ جوش ملا  
جس کی آئے تھے عیادت کو وہ بے ہوش ملا

(۶۱)

بولے فرزند کے شانے کو ہلا کر شہ دیں  
غش سے ہشیار تو ہواے مرے بیمارِ حزیں  
رن میں گردن پہ رواں ہونے کو ہے خنجر کیں  
ذبح ہونے کی مرے تم کو خبر ہے کہ نہیں  
حق سے وعدے جو کئے ہیں وہ ادا ہوتے ہیں  
تم سے پردیس میں اب ہم بھی جدا ہوتے ہیں

(۶۲)

تا بہ گوش آئی جو یہ شاہ کی پر درد صدا  
کھول کر آنکھیں رخِ سپد والا دیکھا  
کانپتے ہاتھوں سے تسلیم بجا لا کے کہا  
نہ ملے گا ہمیں کیا اذن جہاد اے بابا  
علی اکبر کی طرح سب سے جدا ہم بھی ہوں  
دل میں حسرت ہے کہ بابا یہ فدا ہم بھی ہوں

(۶۳)

کہا شہ نے یہ نہیں حکم خداوند جہاں  
سہنا ہیں قلب پہ تم کو ستم فوج گراں  
حلق پر میرے چھری رن میں جو ہوئے گی رواں  
قید ہونا ہے تمہیں اے سب قوت جاں  
ناتواں دل پہ اثر ظلم کا لینا ہے تمہیں  
امتحان صبر کا اللہ کو دینا ہے تمہیں

(۶۴)

ہوں گے گو قلب پہ بے حد ستم و رنج و محن  
چھٹنے پائے نہ مگر ہاتھ سے دادا کا چلن  
غل و زنجیر مرے بعد جو لائیں دشمن  
صبر سے اپنی جھکائے ہوئے رہنا گردن  
عمر کے بڑھنے کی حسرت ہو مصیبت کی طرح  
طوق اسیری کے گلے میں رہیں منت کی طرح

(۶۵)

شعلہ ور بعد مرے ہوگی اگر آتش کیں  
گھر کے جلنے سے زیادہ کہیں ہونا نہ حزیں  
چھین لیں گر پھوپھی اماں کی ردا دشمن دیں  
صبر کا کام ہے دخل اس میں امامت کو نہیں  
جس قدر غم کی ترقی ہو وہ سہنا بیٹا  
بیڑیاں پاؤں میں پہنے ہوئے رہنا بیٹا

(۶۶)

سنتے سنتے ہوئے بیہوش ادھر عابد زار  
تبغ ادھر ٹیک کے اٹھ بیٹھے شہ عرش وقار  
بی بیاں رو جو رہی تھیں تو نہ تھا دل کو قرار  
چلتے چلتے کہا زینب سے کہ رہنا ہشیار  
پوچھنے والا ہے اب کون دل آزاری کا  
دھیان دل میں رہے سجاد کی بیماری کا

(۶۷)

در تلک آئے یہ کہتے ہوئے شاہنشہ دیں  
آخری بھائی کی زینب نے بلائیں لے لیں  
آ کے فصّہ نے بہ عجلت در دولت کے قریں  
ڈوریاں اپنی طرف پردے کی بڑھ کر کھینچیں  
شب کی ظلمت طرف فوج ضلالت پائی  
وہ طنائیں کھنچیں وہ مہر نے رجعت پائی

(۶۸)

نکل آئے در دولت سے جو شاہ خوش خو  
پاک رومال سے پہلے کئے رخ کے آنسو  
رنگ غم بدلا طبیعت نے بدل کر پہلو  
اڑ کے بل کھانے لگے دوش پہ کم کم گیسو  
پیچ پر پیچ محل ہو تو نظر آئے گا  
غیظ ابھی کم ہے مگر بڑھ کے غضب ڈھائے گا

(۶۹)

در سے آیا اسد بیشہ حق نزد فرس  
باگ تھامے ہوئے تھی دیر سے اڑنے کی ہوس  
نظر آتا تھا عجب رنگ پہ انداز نفس  
تیلیاں توڑنے والا تھا جو شہباز نفس  
زلزلے کہہ رہے تھے دیکھئے کیا ہونا ہے  
چار دیواری عالم کو فنا ہونا ہے

(۷۰)

جلوہ گر ہو چکا جب نور الہی سر زیں  
ہاتھ شہ کے گئے پھیلے ہوئے باگوں کے قریں  
بڑھ گیا حد ترخص سے جو کچھ عکس جبین  
دل نے پابندیاں احکام سفر کی کر لیں  
راز رہوار کھلا شعبہ بازوں کی طرح  
قصر کرنے لگا جادوں کو نمازوں کی طرح

(۷۱)

منکشف ہوتے چلے چال کے رن میں اسرار  
دور تک قلعہ کے مانند ہے کاوے کا حصار  
گھیرے ہیں ایک جہاں کو سم پائے رہوار  
جس جگہ دورِ قدم ہے وہاں بے حد ہے غبار  
دور نے ظرفِ طلسمی میں صدا باندھی ہے  
چار نقشوں سے زمانے کی ہوا باندھی ہے

(۷۲)

وہ حسیں روح چھپائے ہے جسے دل کا حجاب  
نازک ایسا کہ گراں جلد کو مخمل کا ہو خواب  
پیر ایسا کہ جو ہر جنگ میں لے آئے شباب  
سبک ایسا جسے تولا کرے کانٹے میں گلاب

کامل ایسا کہ ہر اک چیز پہ حاوی نکلا  
رنگ اور بار دمِ عدل مساوی نکلا

(۷۳)

خون کی چھینٹوں پہ جو پڑ جاتے ہیں پائے رہوار  
وادیِ جنگ نظر آتا ہے شکلِ گلزار  
کشتوں کے خوں کا اثر لے کے جو اٹھتا ہے غبار  
سرخ ہو جاتے ہیں اطرافِ جہاں کے آثار  
نعل کے نالوں سے ہوشِ دف و چنگ اڑتا ہے  
خاک اڑتی ہے کہ ہر پھول کا رنگ اڑتا ہے

(۷۴)

ہر جگہ اپنی یہ کر جاتا ہے صحرا ہو کہ باغ  
(میں) سرعت سے بھرے رہتے ہیں نالوں کے ایان  
رن میں اڑتے ہوئے ڈرے ہیں چمکتے ہوئے داغ  
منزلوں گرمی رفتار سے روشن ہیں چراغ

دھوپ تک بھی دم رفتارِ فرس میلی ہے  
فرسوں رن میں چراغوں کی ضیا پھیلی ہے

(۷۵)

نہیں ممکن فرسِ شہ کا جہاں میں ثانی  
کس طرح اڑتی ہوئی چیز کو کھینچے مانی  
ڈرے حیرت سے بنے ہیں نگہ قربانی  
کتنا پر جوش ہے نالوں کا ذرا سا پانی  
شہ یوں دور کی وضو سے یہ دئے جاتی ہیں  
چار بوندیں ہیں جو کشتی کو لئے جاتی ہیں

(۷۶)

کھلتا ہے پھول ہر اک گام سے رن میں تازہ  
چرخ تک نعل کا پھیلا ہوا ہے آوازہ  
ملتا ہے ہر تنق گرد سے یہ اندازہ  
جس طرح جلد سے ہوتا ہو جدا شیرازہ

ارض میداں معِ دنیائے خراب اُلٹے گی  
یوہیں ایک ایک ورق کر کے کتاب اُلٹے گی

(۷۷)

وادیِ جنگ کا بڑھ جائے نہ کس طرح وقار  
تنق نور ہے آئینہ زمینِ رہوار  
فارسِ جادہ میدانِ شہادت ہے سوار  
سرمہ چشمِ حقیقت ہے جو اڑتا ہے غبار  
پڑ کے آنکھوں میں اثر اپنا یہ دکھلاتا ہے  
عرش تک گھوڑے کو گیتی سے نظر آتا ہے

(۷۸)

دل رہوار کو یوں اپنی قدامت پہ ہے ناز  
ہر قدم فوج کو دیتا ہے یہ رن میں آواز  
کس سے عالم میں ہیں پوشیدہ مرے فخر کے راز  
اک طرح کی ہے بسردن ہوں کہ شہائے دراز

آج تک مرحمتِ ایزدِ باری میں رہا  
مدتوں چار بزرگوں کی سواری میں رہا



(۷۹)

دی تھی شائستہ خدا نے مجھے ایسی رفتار  
رہا کرتے تھے فجل مجھ سے جہاں کے رہوار  
اخترِ بخت نے حاصل کیا اس حد کا وقار  
سب کے پہلے ہوا خالق کا نبی مجھ پہ سوار  
عرشِ حق جس کا مکاں تھا وہ مکیں بیٹھا ہے  
خاتمِ زیں پہ نبوت کا نگین بیٹھا ہے

(۸۰)

کیوں نہ ہوتا فرسِ خاص رسولِ دو سرا  
مدتوں کرتا رہا خدمتِ محبوبِ خدا  
منکشف مجھ سے رہا حدِ سواری کا پتا  
وہ نشانِ زانوؤں کا رہ گیا جو تن پہ پڑا  
جو ہر آئینہ کے ظاہر رہی صورت کی طرح  
زیں پہ نقش اُبھرا رہا مہرِ نبوت کی طرح

(۸۱)

حق نے جو چیزیں کہ کیں اپنے پیمر کو عطا  
کوئی اغیار کا ان سے نہ تعلق رکھا  
اُن میں اک مجھ پہ بھی ہے مرحمت و لطفِ خدا  
واقعہ حضرت عباسؑ کا جب پیش ہوا  
دعویٰ شاہی کا تھا اور تاجِ حشم رکھ نہ سکے  
بڑے شہ زور تھے پر زیں پہ قدم رکھ نہ سکے

(۸۲)

کہیں بے میرے بھی ارمانِ دلی مل جاتے  
تھا سفینہ کہاں جس سے لبِ ساحل جاتے  
میں نہ پہنچاتا تو کیونکر سرِ منزل جاتے  
دل تو کیا چیز تھا نہ طاقِ فلک ہل جاتے  
غیظ اثرِ برہمی طبع کا دکھلا ہی گیا  
میری آواز سے عباسؑ کو غش آ ہی گیا

(۸۳)

منکشف ہو چکے تھے قلب پہ پہلے ہی یہ راز  
بعدِ احمدؑ ہیں علیؑ خلق میں سرمایہٴ ناز  
ہو چکا تھا جو نہاں خسروِ ملک اعجاز  
صور سے کم نہ تھی ٹوٹے ہوئے دل کی آواز  
رنگِ ظلمت کی طرح نورِ رخِ مہمہ دیتا  
مردے اٹھ بیٹھتے قبروں سے جو کچھ کہہ دیتا

(۸۴)

تھے زمانے میں پیمرؑ نہ وصی عم رسولؑ  
میں کسی شخص کو کرتا پس احمدؑ نہ قبول  
خوش کسی طرح سے ہوتی نہ مری طبعِ ملول  
کس کو آتے تھے زمانے میں سواری کے اصول  
جلوہ گر زیں پہ کیا غالب ہر غالب کو  
پھر پسند آیا علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو

(۸۵)

شادمانی و مسرت سے بدلتا رہا غم  
نہیں عزت یہ زمانے میں مرے فخر کو کم  
کس فرس کو ہوئی اس طرح کی توقیر بہم  
آئے کعبہ میں سرِ دوشِ پیمرؑ جو قدم  
جلوہ گر یوں رہے ضو جیسے حبابوں میں رہے  
مدتوں پاؤں وہی میری رکابوں میں رہے

(۸۶)

نایبِ ختمِ رسلؑ تیغ سے جب قتل ہوا  
باغِ عالم کی مخالف رہی کچھ روز ہوا  
غنیچہٴ نقشِ قدم مدتوں سرِ بستہ رہا  
دیکھی پھر میں نے بہارِ حسنِ سبزِ قبا  
ارثِ ادھر آئی جو سلطانِ مجازی کی طرح  
گل یہ آنکھوں سے اٹھایا گلِ بازی کی طرح

(۸۷)

کچھ دنوں دور مقدر سے برائی نہ ہوئی  
شوقِ گردوں رہا گیتی سے جدائی نہ ہوئی  
وادیِ جنگ کی چل پھر کے صفائی نہ ہوئی  
دس برس بعدِ ید اللہ لڑائی نہ ہوئی  
کاٹ دی ایک جگہ دل کی تمنا میں نے  
کیا ہے دائرہٴ صلح میں کاوا میں نے

(۸۸)

اس پہ بھی ظلم سے باز آئے نہ جب بانیِ جور  
دے لیا زہر تو کم ہو گئے ایذاؤں کے طور  
پایا راکب نہ حسینؑ ابنِ علیؑ سا کوئی اور  
تیسرے عہد میں رفتار کا چوتھا ہوا دور  
دل پہ جو رنج و الم پائے ہیں وہ ظاہر ہیں  
میں بھی اب ختم ہوں اور یہ بھی بس اب آخر ہیں

(۸۹)

فکرِ عزت رہی اللہ کو ہو صبح کہ شام  
بھولے سے بھی تہہ پا آیا نہ ذلت کا مقام  
خلق میں خوبیِ قسمت سے نہ بگڑا مرا کام  
کوئی بیٹھا نہ مری زیں پہ کبھی غیر امام  
پشت احمدؑ کی طرح تختِ خلافت کی طرح  
منتخب ہوتا گیا میں بھی امامت کی طرح

(۹۰)

نظر آتے رہے رفتار سے تیزی کے اصول  
کل کی یہ بات ہے گو اس کو ہوا برسوں کا طول  
کیا احمدؑ نے حسینؑ ابنِ علیؑ کو نہ ملول  
آپ جس ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھے زلفِ رسولؐ  
سو اگر ہوں تو فدا ان پہ ہیں جانیں میری  
آج اُسی ہاتھ سے تھامے ہیں عنائیں میری

(۹۱)

کہتا آتا تھا ادھر یہ فرسِ سروؑ دیں  
نگراں رن میں ادھر تھی نگہِ لشکرِ کیں  
خاک پھیلی ہوئی بے حد تھی جوتا چرخِ بریں  
دور تک دیکھ نہ سکتا تھا کوئی روئے زمیں  
حالِ ادھر کا نہ جو انانِ عرب دیکھتے تھے  
اپنی شکلِ آئینہٴ خاک میں سب دیکھتے تھے

(۹۲)

اوج پر خاک کے مانند پریشاں تھے پرند  
دل کو جکڑے ہوئے تھی دشت میں دہشت کی کمند  
تھا جو بکڑے ہوئے رہواروں سے جانوں کا گزند  
رن میں رانوں سے دبائے ہوئے راکب تھے سمند  
اثرِ خوف زمیں دشت کی دکھلاتی تھی  
اپنے ہی پہلوؤں سے شیر کی بو آتی تھی

(۹۳)

تھی ادھر دشت میں یہ کیفیتِ لشکرِ شر  
ادھر آ پہنچے سوئے فوجِ شرِ جن و بشر  
کس طرف جاتا نہ جانے فرسِ خوش منظر  
کھینچ کے ہر باگ نے دی ختمِ مسافت کی خبر  
جو مناسب دمِ رفتار تھے وہ کام لئے  
حکم نے بڑھتے ہوئے پائے فرس تھام لئے

(۹۴)

تھم گیا قربِ سپہ جب فرسِ شیر شکار  
اللہ اللہ اثرِ رعے شرِ عرشِ وقار  
کانپ کے دل کی طرح بیٹھ گیا رن میں غبار  
چہرے کی دیکھ کے ہیبت کو پکارے یہ سوار  
مصلحت تھی جو پئے جنگ یہ دیر آیا ہے  
رن میں اُلٹے گا جو گیتی وہ دلیر آیا ہے

(۹۵)

کوئی کر سکتا ہے کیا اس کی شجاعت کا بیاں  
زور ہاتھوں میں وہ پایا ہے کہ کھینچ آتی ہے جاں  
منہ کو دیکھا کرے میدان میں حیرت سے کماں  
تیرا گر چاہے تو چٹکی سے کرے رن میں رواں  
روح تک بھی اثر غیظ سے برہم نکلے  
اس طرف تیر چھٹے دل سے اُدھر دم نکلے

(۹۶)

ہوگی کیا اس سے مقابل سپہ ظلم شعار  
ہے اسی کا تو زمانے میں لقب شیر شکار  
ہوں گے اک ضرب سے دو وقتِ وغانا سپ و سوار  
کہیں رک سکتی ہے لوہے کی سپر سے تلوار  
سچی باتوں میں محل کب کسی تاویل کے ہیں  
ہاتھ یہ کاٹنے والے پر جبریل کے ہیں

(۹۷)

تھا اُدھر تو یہ پیادوں سے سواروں کا کلام  
اس طرف تھم کے پکارا یہ دو عالم کا امام  
مانتے ہیں کہ نہیں اہل رے و کوفہ و شام  
کرنے آیا ہوں میں تم لوگوں سے حجت کو تمام  
دو شب و روز سے اے لشکر شر پیاسا ہوں  
گو میں فرزند علی کا ہوں مگر پیاسا ہوں

(۹۸)

قتل کیوں کرتے ہیں بے وجہ جو انان عرب  
گھر سے بلوا کے مجھے خون کے پیاسے ہوئے سب  
بعد مرنے کے جہنم سے اماں پاؤ گے کب  
بے گناہی مری ہو جائے گی دوزخ کا سبب  
خلق میں ہاشمی و مطلبی ہوں کہ نہیں  
میں جگر بند رسول عربی ہوں کہ نہیں

(۹۹)

یہ وہی تو ہیں جو یکتا ہیں میان آفاق  
عبد وہ عبد کہ معبود ہو جس کا مشتاق  
اس قدر قلب پہ دوری ہوئی محبوب کی شاق  
آیا لینے کے لئے خلق میں جنت سے براق  
ایسی عزت تھی کہ جو سر کے لئے تاج ہوئی  
کی ترقی یہ محبت نے کہ معراج ہوئی

(۱۰۰)

کوئی کہہ سکتا ہے کیا مرتبہ نفس رسول  
باب علم نبوی شارح احکام اصول  
خسر و جن و ملک عیسیٰ بیمار و ملول  
حائے دین نبی دست خدا زوج بتول  
ہیں محمد کے وصی غالب ہر غالب ہیں  
میرے ہی باپ علی ابن ابی طالب ہیں

(۱۰۱)

جو ہوئے قاسم فردوس و جہنم وہ علی  
جن کے باعث سے ہوئی خلقتِ آدم وہ علی  
ہیں پس خالق و احمد جو مقدم وہ علی  
جن کی ماں سے رہیں کم شان میں مریم وہ علی  
خلق میں کعبہ کے مولود کا افسانہ ہوا  
اُن کو رہنا نہ ملا ان کا زچہ خانہ ہوا

(۱۰۲)

جس کو کہتا ہے ہر اک شیر درندہ وہ علی  
جس کی تلوار جنوں کو ہوئی شعلہ وہ علی  
نور جس کا تھا سر طور کا جلوہ وہ علی  
جس نے مکہ میں پڑھا سورہ توبہ وہ علی  
رتے کچھ اور امامت سے فزوں تر بھی ہوئے  
ایک دن کے لئے مکہ میں پیمبر بھی ہوئے

(۱۰۳)

خاص کعبہ میں ہوئی جس کی ولادت وہ علیؑ  
جس کا زینہ ہوا بازوئے رسالت وہ علیؑ  
حکمِ خالق سے ملی جس کو خلافت وہ علیؑ  
جس کی اولاد سے نکلی نہ امامت وہ علیؑ  
جس کے خواہاں ہوئے خالق سے وہ عزت بھی ہوئی  
مثل میراث کے تقسیم امامت بھی ہوئی

(۱۰۴)

دو کئے جس نے تنِ مرحب و عنتر وہ علیؑ  
جس کو خالق سے ملی تیغ دو پیکر وہ علیؑ  
جس کی تلوار سے بھاگا کیا لشکر وہ علیؑ  
جس کے ہاتھوں نے اکھاڑا درخیز وہ علیؑ  
لشکرِ ظلم و ستم پر غضبی نے توڑا  
کفر کا باب درِ علمِ نبیؐ نے توڑا

(۱۰۵)

ختم یہ مرتبہ کعبہ میں علیؑ پر ہوا بس  
بت جو توڑے دلِ اسلام کی بر آئی ہوس  
ہوئی اُس گھر میں اذان جس میں تھی آواز جس  
کیا عجب ہے جو خطِ مہرِ نبوت کیا مس  
آرزوِ قلب میں اس اوج پہ بھی ساتھ کی تھی  
تھے اسی کے تو قدم مہر یہ جس ہاتھ کی تھی

(۱۰۶)

درفشاں مدحتِ حیدرؑ میں ابھی تھے شبیرؑ  
آنے پائی تھی نہ انجام پہ شہؑ کی تقریر  
مستعد ہو کے پئے جنگ بڑھی فوجِ کثیر  
رن میں لے کر خبرِ جنگ بڑھ آئے کئی تیر  
بڑھے گھوڑے تو زمیں دشت کی تھرانے لگی  
دور تک جنگ کے باجوں کی صدا جانے لگی

(۱۰۷)

قرب شہؑ بے ادبانہ جو بڑھے تیرِ ستم  
ہو گئی قطعِ سخن سے یہ طبیعتِ برہم  
بل پہ بل کھانے لگی دوش پہ زلفِ پر خم  
آ گیا ہاتھ سرِ قبضہٗ شمشیرِ دو دم  
ایسی کس دل میں توانائی ہے جو سیر کرے  
حد کا برہم ہے رحیم آج خدا خیر کرے

(۱۰۸)

برہمیؑ شہؑ دین کا پڑا عالم پہ اثر  
کانپ اٹھا چرخِ چہارم کا بھی سینے میں جگر  
آج پھر خیریت آتی نہیں گیتی کی نظر  
کہہ کے یہ حضرتِ جبریلؑ نے پھیلا دیئے پر  
منتظرِ شعلہٗ دوزخ صفِ جنگاہ کا ہے  
رن میں بگڑا ہوا بیٹا اسد اللہ کا ہے

(۱۰۹)

منتظر تھے سبقت کے جو شہؑ عرشِ پناہ  
حد کا بے چین تھا تاخیر سے قلبِ آگاہ  
انتظارِ سپہٗ ظلم میں جھوما کئے شاہ  
زد پہ جب آگئی مولائے دو عالم کے سپاہ  
ہاتھ کا پا کے اشارا وہ دل آزار کھنچی  
رن میں اللہ کی بھیجی ہوئی تلوار کھنچی

(۱۱۰)

تینیں اس سمت سے دو چار چلیں جب کہ ادھر  
بڑھے ہر وار کو رد کر کے شہؑ جن و بشر  
پہلی ہی ضرب نے دکھلا دیا قوت کا اثر  
سر پہ جو تیغ تھی پہنچی وہ زمیں کے اندر  
خود ادا کہتی ہے منہ رحم سے موڑ آئی ہے  
مسکرا کر پر جبریلؑ کو چھوڑ آئی ہے

(۱۱۱)

ایسی تلوار کا بھرتا ہے کہیں اک سے شکم  
دوسرے کو بھی یوہیں کھا گئی شمشیر دو دم  
اب تو گرنے لگی بجلی کی طرح سے پیہم  
منہ کے بھل جانے لگے سوئے سقر اہل ستم  
ایک عالم میں گئے، دوسرا عالم دیکھا  
بند ہو کر جو کھلی آنکھ جہنم دیکھا

(۱۱۲)

فوج کو بکڑے ہوئے بخت پہ کچھ غور نہیں  
لشکرِ شام کے بچنے کا کوئی طور نہیں  
نقطہٴ رحم ہو جس دور میں وہ دور نہیں  
ذوالفقارِ اسدِ حق ہے کوئی اور نہیں  
لڑنے والا چپے آرام جہاں تر سے گا  
فرسوخوں رن میں بغیر ابر کے خوں بر سے گا

(۱۱۳)

خلق میں جلوہٴ شمشیر علیٰ ہے مشہور  
اللہ اللہ یہ جوہر کی سیاہی کا ہے نور  
تن کے اڑتی ہوئی ظلمت ہے سحر کا کافور  
یہ وہ بجلی ہے جو کوند آئی ہے جاکر سر طور  
تا اُحد چھپ کے یہ افلاک کی راہوں میں رہی  
مذتوں حضرتِ موسیٰ کی نگاہوں میں رہی

(۱۱۴)

ہے وہ چالاک و دریدہ دہن و عربدہ جو  
باتوں باتوں میں جدا کرتی ہے اعدا کے گلو  
خوں سے بھر جاتے ہیں جوہر کے جورن میں گیسو  
اپنے بالوں سے چھڑکتی ہوئی جاتی ہے لہو  
داغ پڑ جائیں جو قطروں کے کوئی سیر کرے  
خون کے تیر برستے ہیں خدا خیر کرے

(۱۱۵)

کیوں نہ پر آبی شمشیر ہو عالم کو پسند  
کشتیٰ تن کو طلاطم سے نہیں کوئی گزند  
آب پر جوش و رواں کثرت جوہر سے ہے بند  
یہ تماشا ہے کہ باندھے ہوئے پانی ہے کمند  
چشمہٴ آب اُبل جائے تو آفت ہو جائے  
بند جوہر کہیں کھولے تو قیامت ہو جائے

(۱۱۶)

کیفیت اس کی سمجھ سکتے نہیں قلبِ تپاں  
مر کے پہچانتے ہیں تیزئی شمشیر جواں  
گو یہ شعلہ نہیں لیکن ہے تپش دل کی عیاں  
تیغ کا وقت و غا ملتا ہے قبضہ سے نشان  
تن کی حالت صفتِ سوز نہاں بن گئی ہے  
اتنی کثرت سے ہیں جوہر کہ دھواں بن گئی ہے

(۱۱۷)

ہے اُحد سے دل عشاق کی یہ محرم راز  
خلق کہتی ہے اسے حیلہ گر و شعبدہ باز  
چھپ سکے پردہ گردوں سے نہ اس کے انداز  
چرخ سے تا بہ زمیں آئی یہ سرمایہٴ ناز  
ہاتھ میں آ کے ید اللہ کے ممتاز ہوئی  
جس قدر پست ہوئی اتنی سرافراز ہوئی

(۱۱۸)

نہروان و جمل و خندق و بدر و خیبر  
ہر لڑائی میں رہی شیر الہی کی سپر  
اتنا خون پیتی ہوئی آئی ہے شمشیر دو سر  
اب خدا جانے کہ گہرے ہیں کہاں تک جوہر  
خبر جذب دلِ عربدہ جو دیتا ہے  
ٹوٹ جاتا ہے جو چھالا وہ لہو دیتا ہے



(۱۱۹)

رن میں ہر ضرب پہ تلوار یہ دیتی تھی صدا  
میرا ہم مثل جہاں میں کوئی اب تک نہ ہوا  
اپنے ہاتھوں کے لئے مجھ کو خدا نے بھیجا  
رہا دستِ اسد اللہ پہ میرا قبضہ  
اور کو میرے سوا حق کے ولی نے نہ لیا  
پھر کسی تیغ کو ہاتھوں میں علیؑ نے نہ لیا

(۱۲۰)

وہ ادا تھی جو حسینوں کو بھی تڑپاتی رہی  
رن میں پیغام مرے پاس قضا لاتی رہی  
مدتوں وادیِ جرأت کی ہوا کھاتی رہی  
ہر وغا میں اسد اللہ کے کام آتی رہی  
منہ کی کھایا کئے ہر جنگ میں بد خو مجھ سے  
تھا قوی حیدرؑ کرار کا بازو مجھ سے

(۱۲۱)

برہمی سے رہے مغلوب جہاں کے سرہنگ  
دل کی لڑنے میں عیاں ہوتی ہے غصہ سے امنگ  
وہ چھلکتا ہوا خوں ہے کہ جو چہرے کا ہے رنگ  
یہی سرنی رہی آئینہ میں برسوں دمِ جنگ  
تپتی رکھتی ہوں کمر، سینہ اگر چوڑا ہے  
رگ جوہر میں مری خون علیؑ دوڑا ہے

(۱۲۲)

شمع سیکھے ہوئے ہے شعلہ زبانی مجھ سے  
خاک کے نیچے اُبل جاتا ہے پانی مجھ سے  
زخم سنتے ہیں شجاعت کی کہانی مجھ سے  
شان رکھتی ہے جوانوں کی جوانی مجھ سے  
قوتیں طاقتِ ضرغامِ خدا دیتی ہے  
لا فتی کی مری ہر ضرب صدا دیتی ہے

(۱۲۳)

مجھ سے کھلتا رہا جرأت کا ہر اک گل بوٹا  
جب ہوا میری چلی کفر کا گلشن لوٹا  
اور تو اور نہ مرحب سا قوی تن چھوٹا  
پر جبریلؑ کئے کوزہٴ خاکی ٹوٹا  
اب بھی رکھتی ہے اثرِ شہرت پیکار مری  
رہ گئی ٹوٹے ہوئے ظرف میں جھنکار مری

(۱۲۴)

سب سے کہہ دیتی ہوں ہر بات بری ہو کہ بھلی  
حشر برپا ہوا جب قوتِ حیدرؑ سے چلی  
جنگِ خیبر کا نہیں معرکہ کیا سب پہ چلی  
پر جبریلؑ کا صفحہ تھا مصور تھے علیؑ  
تھی وہ ہیبت کہ جری پچھلے قدم ہٹتے تھے  
میری تصویر کے کھنچنے سے ورق کٹتے تھے

(۱۲۵)

کبھی حارثؑ کبھی مرحب کے چلی میں سر پر  
کبھی دو، وقت وغا کر دیا جسمِ عنتر  
رن میں کفارِ احد کی کبھی لی بڑھ کے خبر  
ایک اک جنگ میں بڑھتا گیا اک اک جوہر  
ہر جزا دل نے بصد کوشش و کد پائی ہے  
میں نے الماس کے تمغوں سے سند پائی ہے

(۱۲۶)

ہوں عیاں وصف مرے گر کوئی کچھ بھی کرے غور  
یوں تو ہر طرح سے عالم میں رہے ظلم کے طور  
ہاں مگر آ نہ سکے پاس مرے بانیؑ جو  
لے نہ سکتا مجھے جز دستِ ید اللہ کوئی اور  
یوں تو جو چاہتا تسکینِ جگر دے لیتا  
میں خلافت نہ تھی جو اور کوئی لے لیتا

(۱۲۷)

بھلا تلوار کے ہے سلسلہ میں کس کو کلام  
پہلے اس تیغ کا مالک رہا حق کا ضرغام  
بعد اس کے رہے قابض حسن عرش مقام  
اپنی اپنی جگہ ایک ایک کا قبضہ پہ ہے نام  
سرخ حرفوں سے ولی ابن ولی لکھا ہے  
سب کے آخر میں حسین ابن علی لکھا ہے

(۱۲۸)

تھا جو برہم اسد پیشہ حق وقت و غا  
حشر تھا تیغ ید اللہ سے میدان میں بپا  
یاد آ جاتے تھے ہر ضرب پہ ضرغام خدا  
جاتی تھی دور تک خوں کے دڑیڑوں کی صدا  
حد سے بڑھ جانا ترقی کا برا ہوتا ہے  
آج انجام جہاں دیکھئے کیا ہوتا ہے

(۱۲۹)

بڑھتے جاتے ہیں سوئے فوج غضب میں شہ دیں  
سپر مہر میں پنہاں ہوا ہے چرخ بریں  
بڑھ کے زانو سے دہالی ہے پہاڑوں نے زمیں  
تیغ کی زد سے بہت دور ہیں جبریل امیں  
وار دیکھے بھی جو شہ کے تو سنبھل کر دیکھے  
تیغ دیکھی کبھی گھبرا کے کبھی پر دیکھے

(۱۳۰)

تھے پیادے کہیں بے جان کہیں بسمل تھے سوار  
کاٹ دیتی تھی اشارے سے گلے تیغ کی دھار  
اس قدر تھا اثر غیظ شہ عرش وقار  
جب گرازیں سے کوئی سرخ اٹھا رن سے غبار  
چھپ کے گیتی سے اماں سوئے فلک پانے لگا  
پردہ خاک میں چھپ چھپ کے لہو جانے لگا

(۱۳۱)

لڑ رہے ہیں عجب انداز سے شاہنشہ دیں  
جہاں بڑھ آئے ہلا دی وہاں حملوں سے زمیں  
ہے فرس رن میں صف اول و آخر کے قریں  
دور شمشیر میں ہے نقطہ خوں لشکر کیں  
انگلیاں سرخ ہیں زخم تن بسمل کی طرح  
ہاتھ میں فوج ہے خوں دیتے ہوئے دل کی طرح

(۱۳۲)

کبھی میدان میں سواروں کے جدا کر دیئے سر  
کبھی لی بڑھ کے دم جنگ پیادوں کی خبر  
میمنہ پر کبھی آیا فرس خوش منظر  
میسرہ میں کبھی کبھی چن چن کے کیئے قتل افسر  
تھلکہ کر دیا جس جا وہ دل آزار چلی  
قلب لشکر میں کبھی خوں بھری تلوار چلی

(۱۳۳)

اب نہ ڈھالوں کی سیاہی ہے نہ تیغوں کی چمک  
دور تک دشت میں ہے ایک ہی شعلہ کی لپک  
کوسوں پھیلی ہوئی تھی وقت و غا خون کی مہک  
آستین اُلٹے ہوئے ہیں جو شہ جن و ملک  
رعشہ تک کانپتے ہاتھوں سے جدا ہو گیا ہے  
زور کچھ اور دم جنگ سوا ہو گیا ہے

(۱۳۴)

اب نہ گھوڑوں میں وہ تیزی نہ سواروں میں ہے دم  
رن میں آتا نہیں لڑنے کو کوئی کھا کے قسم  
خاک کو دے کے بلندی گرے ریتی پہ علم  
اکھڑے ہیں زخم کے ٹانگوں کی طرح سب کے قدم  
بھاگنے کی سپہ ظلم کی تیاری ہے  
سر پہ ہے زخم مگر پاؤں سے خوں جاری ہے

(۱۳۵)

وہ چلی تیغ، بڑھے شاہ، دہلی فوج ستم  
وہ کٹے ہاتھ وہ چھوٹے دہل و طبل و علم  
وہ چھٹی بھیڑ، دمِ جنگ، وہ مجمع ہوا کم  
وہ اُڑی خاک اُٹھے رن سے وہ گھوڑوں کے قدم

اب کہاں ہاتھ، کہاں سے جو کوئی تیر چلے  
رن سے وہ فوج دباتے ہوئے شبیر چلے

(۱۳۶)

اختیار شہ والا میں جب آیا لشکر  
ہو کے مجبور چلا دشت سے ہر بانی شر  
نہ پیادوں کو اماں تھی نہ سواروں کو مفر  
لائے تا دور سپہ رن سے شہ جن و بشر

آ گیا رحم نہ پھر تیغ سے کچھ کام لیا  
حدِ میداں سے بڑھ آئے تو فرس تھام لیا

(۱۳۷)

رن میں جب رک گیا گھوڑا تو پکارے شہ دیں  
کیا وغا کے یہی ہوتے ہیں جہان میں آئیں  
منتشر اک تن تنہا سے ہوا لشکر کیں  
ایسے بھاگے کہ جدا ہو گئی پاؤں سے زمیں

ہاتھ سے خاک مذلت پہ علم رکھ کے چلے  
سپہ ظلم و ستم سر پہ قدم رکھ کے چلے

(۱۳۸)

کہہ کے یہ اپنی جگہ آ گئے پھر شاہِ ام  
جمع ہونے لگے رن میں اُدھر افواجِ ستم  
شہ اُدھر روک کے رہوار کو لینے لگے دم  
تھک گئے تھے جو رکابوں میں نکالے وہ قدم

دل نے پھر شوقِ شہادت سے توانائی لی  
کبھی بازو کو دبایا کبھی انگڑائی لی

(۱۳۹)

جمع پھر اچھی طرح ہو لیا جب لشکر کیں  
دور تک بل گئی قرنا کی صداؤں سے زمیں  
نالہ طبل نے لڑنے کے بتائے آئیں  
ناوک اُونچے ہوئے میداں میں کمائیں کڑکیں

تیر اس طرح سے لہراتے ہوئے جاتے ہیں  
جانور اوج پہ جس طرح سے منڈلاتے ہیں

(۱۴۰)

تھے پریشاں جو نہ ملتی تھی کمان مہ نو  
دور پر سرخی سو فار ہوئی شمع کی لو  
خلق کر لیتی شمار ان کا جو ہوتے کئی سو  
تیر کے حصہ اعلیٰ میں رہی مہر کی ضو  
دھوپ کو راہ نہ ملتی تھی کثیر اتنے تھے  
دن کے دو حصہ ہوئے اوج پہ تیر اتنے تھے

(۱۴۱)

تیر بے حصر تھے گو پر نہ ہوا شہ کا ضرر  
سب ہوائی ہوئے آئے بھی تو، دو تین ادھر  
غیظ سے کھینچ لی پھر شاہ نے شمشیر دو سر  
قبضہ تک کھینچ گیا جوہر کی سیاہی کا اثر

برق کی طرح چمک کر وہ ضیا بار کبھی  
آستین اُلٹے ہوئے میان سے تلوار کبھی

(۱۴۲)

آ چکے متصل شاہ جب افواجِ خطا  
تھی جو بگڑی ہوئی پہلے ہی سے طبعِ والا  
خدمتِ شہ میں لرزتا ہوا آیا غصہ  
اُنکلیاں بن گئیں یوں تیغ کا قبضہ پکڑا

آندھیاں چلتی تھیں جس سے وہ نفس چھیڑ دیا  
شہ نے گردان کے دامن کو فرس چھیڑ دیا

(۱۴۳)

دو قدم اسپ بڑھا تھا کہ چلی تیغ دو دم  
رن میں ہر ضرب پہ کٹنے لگی افواجِ ستم  
متفرق ہوئے وہ رن میں جو اعضائے بہم  
رن میں کرنے لگے کشتوں کا پھیرے ماتم  
روح سینے سے جہنم کی طرف جانے لگی  
دہن زخم سے رونے کی صدا آنے لگی

(۱۴۴)

استغاثہ شہ دیں کر جو چکے تھے کئی بار  
مددِ شاہ کی تھی ساری خدائی میں پکار  
تھی کمر بستہ وغا کو ملک و جن کی قطار  
کل نبی آئے تھے ہمراہ رسولِ مختار  
غمِ شبیر سے راحت نہ ملی مدفن میں  
آئے تھے باپ کے ہمراہ حسن بھی رن میں

(۱۴۵)

لڑنے کی دی جو نہ تھی سرورِ والا نے رضا  
رن میں تھا ایک طرف مجمعِ خاصانِ خدا  
اک طرف دشت میں تھی کثرتِ افواجِ جفا  
فرسخوں ملتی تھی میدان میں نہ تل رکھنے کی جا  
رن میں جو تھا اثرِ ضربِ خدا دیکھتا تھا  
ایک اک دشت میں پیاسے کی وغا دیکھتا تھا

(۱۴۶)

دم بدم کٹ رہے تھے تیغ سے جسمِ دشمن  
رن میں دو ہو رہے تھے تن کی طرح سے توسن  
پاتے تھے بھائی سے جب باپ کے لڑنے کا چلن  
جھوم جاتے تھے ہر اک وار پہ مقتل میں حسن  
ضربِ شمشیر سے گر کر نہ سوار اُٹھتے تھے  
بھائی اس ہاتھ کے صدقے ہو پکار اُٹھتے تھے

(۱۴۷)

خاک پر توڑتے ہیں دم جو برابر اعدا  
خود بھی گھبرائی ہوئی پھرتی ہے میدان میں قضا  
خونِ کفار کا جاری ہے جو رن میں دریا  
متحیر ہیں کھڑے دیر سے خاصانِ خدا  
اس سے بچنے کی ہوس ہر دل ذی ہوش میں ہے  
روحیں دامن کو سمیٹے ہیں کہ خوں جوش میں ہے

(۱۴۸)

امتحان لینے پہ آمادہ اُدھر ہے شیطان  
ہو گیا ہے طرفِ شہ رخِ مہرِ تاباں  
صورتِ آتشِ دوزخ ہے زمینِ میدان  
آگ تک ہو گئی ہے نعل میں گھوڑوں کی نہاں  
اثر سوزِ سمندوں سے کہاں اُٹھتا ہے  
خاک پر پاؤں کے رکھنے سے دھواں اُٹھتا ہے

(۱۴۹)

ایسے ہنگامہ میں ہے آپ کے مولا کی یہ شاں  
پھیرتے جاتے ہیں سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ زباں  
رن میں تلوار سے پاتے تھے جو اعدا نہ اماں  
چومتی جاتی تھی ہر ضرب پہ بازو کو کماں  
اک نظر جاتی تھی لاکھوں کی نظر باندھے ہوئے  
تیغ تو لے ہوئے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے

(۱۵۰)

بڑھتے تھے دشت میں آگے کبھی پیچھے جو سوار  
خاک کے اڑنے سے ہوتا تھا جہاں تیرہ و تار  
خیمہ چرخ کی پائیں جو طنائیں بیکار  
سقفِ گردوں کو سنبھالے ہوئے تھا زورِ غبار  
فکر یہ تھی دلِ گیتی پہ مصیبت ہوگی  
آسماں پھٹ کے گرے گا تو قیامت ہوگی

(۱۵۱)

شدت گرد سے اک حشر تھا میداں میں بپا  
شیشہ خاک سے باہر نہ نکلتی تھی صدا  
رنگ گیتی نے بھی گردوں کو دکھائے کیا کیا  
آسماں تک نظر آتا تھا زمیں کا قبضہ

ذرے دیتے تھے مہک خون کی پھولوں کی طرح  
دور بڑھتا گیا گیتی کا بگولوں کی طرح

(۱۵۲)

وادیٰ جنگ کی یہ کی فرسوں نے حالت  
پردہ گرد میں اُڑتی تھی زمیں کی رنگت  
دوش صرصر سے ملی خاک کو جس دم رفعت  
اہل عالم پہ زمیں کے کھلی اس دم وسعت

ہو کے خم پائے زمین چرخ بریں چومتا ہے  
ایک اک ذرے میں خورشیدِ فلک گھومتا ہے

ساقی نامہ (۱۵۳)

بڑھتے جاتے ہیں غضب میں جو شہ عرش مقام  
نظر آتا ہے بہت جلد و غا کا انجام  
ختم ہونے کو ہے دور سپہ کوفہ و شام  
دے دے گردش کی طرح رنگ بدلتے ہوئے جام

جنگ کرتا ہوا میخوار سے میخوار چلے  
ساقیا مئے سے بجھائے ہوئے تلوار چلے

(۱۵۴)

دے وہ پیانہ مئے قلب کا جو چھالا ہے  
رند قلقل جسے کہتے ہیں مرا نالہ ہے  
ہو وہ حدت تپِ فرقت نے جسے پالا ہے  
دل مرا غیظ بھری آنکھ کا متوالا ہے

زلفِ شمشیر دم جنگ سنواروں تو پیوؤں  
جام گل رنگ کو آنکھوں پہ اُتاروں تو پیوؤں

(۱۵۵)

دینی ہے تیغ کے چلنے کی گواہی مجھ کو  
آج مطلوب ہے شیشوں کی تباہی مجھ کو  
چھپ کے پی لینے دے ڈھالوں کی سیاہی مجھ کو  
تیغ انگڑائی لے اور آئے جماہی مجھ کو

دھوکا جھنکار کا ہو جس سے وہ نالے بھریوں  
جام کی طرح سے جوہر کے پیالے بھریوں

(۱۵۶)

جائزہ لے چکی ہے فوج کا رن میں تلوار  
زد سے شمشیر کے ہٹ کر کرو قصد رفتار  
پردہ خوں سے جو نکلے بھی تو چھپ کر دل زار  
یوں نکلنے کبھی دے گی نہ مجھے تیغ کی دھار

پاؤں تک سر کا نہ گرمی سے پسینہ پہنچے  
خوں میں بہتا ہوا کوثر پہ سفینہ پہنچے

(۱۵۷)

میری بگڑی ہوئی قسمت کو سنبھال اے ساقی  
باتوں باتوں میں نہ ارماں مرا ٹال اے ساقی  
تیرے آگے نہیں ہرگز یہ محال اے ساقی  
اپنے دو ہاتھ سے دو کام نکال اے ساقی

ہو مزا جام اگر یوں دم پیکار چلے  
ایک سے دور ہو اور ایک سے تلوار چلے

(۱۵۸)

تپشِ مہر مصیبت ہے تو ہیں سرخ بھنور  
جوش کھاتے ہوئے دیکھا نہیں ایسا کوثر  
نظر آتا ہے دھواں دیتا ہوا ہر ساغر  
آج ٹھنڈا نہیں پانی کی ہوا کا بھی اثر

خاک ہو کر جگر و دل کا سفینہ نکلا  
شعلہ دیتا ہوا شیشوں کا سفینہ نکلا



(۱۵۹)

لڑتے ہیں دیر سے بے سایہ شہ جن و بشر  
اللہ اللہ یہ گرمی ہے کہ جلتی ہے نظر  
دیدنی رن میں ہے دوروز کے پیاسے کا جگر  
ایسی حالت میں ہو کیا قلب کو رغبت میے پر  
دامن گرد سے کب تک سر و سینہ پوچھوں  
جام لوں ہاتھ میں یا رخ کا پسینہ پوچھوں

(۱۶۰)

باتیں جو کچھ ہوئیں وہ تیری زبانی ساقی  
بڑھ گئی حد سے مری تشنہ دہانی ساقی  
مئے وہ بیکار ہے ہو سرخ کہ دہانی ساقی  
حلق سے میرے اُترتا نہیں پانی ساقی  
مرنے والا میں تپش سے ہوں جہان چھٹتا ہے  
نام مئے لے نہیں سکتا کہ گلا گھٹتا ہے

(۱۶۱)

اب تک چل رہی ہے تیغ برابر ساقی  
تشنہ لب ذبح ہوئے رن میں بہتر ساقی  
تو تو دیتا تھا میں پیتا بھی تو کیونکر ساقی  
اس میں کیا تیری خطا اپنا مقدر ساقی  
تپش مہر میں تکلیف جگر دے کے پیوں  
جام مئے، شاہ تو پیاسے رہیں میں لے کے پیوں

(۱۶۲)

ہے عیاں پیاس کے ہونٹوں سے نشانی ساقی  
تشنہ لب فاطمہ زہرا کا ہے جانی ساقی  
دیکھ سکتا نہیں میں تشنہ دہانی ساقی  
مئے سے بدلوں کہیں مل جائے جو پانی ساقی  
وادی جنگ سے جب گرم ہوا آتی ہے  
پانی پانی کی بیاباں سے صدا آتی ہے

(۱۶۳)

رنگ رخ عرض سے ذخیر کی بدل جائے گا  
دوست کو دیکھ کے دل شہ کا بہل جائے گا  
غم اصغر دلِ ناشاد سے ٹل جائے گا  
پھر نہ ہاتھ آئے گا گروقت نکل جائے گا  
مان جائے گا ید اللہ کا جانی ساقی  
پاؤں پر گر کے پلا آؤں گا پانی ساقی

(۱۶۴)

روز عاشور کی گرمی پہ ذرا کر تو نگاہ  
سر سے تاناخن پا غرق عرق رن میں ہیں شاہ  
پیاس ایسی ہے کہ دنیا ہے نگاہوں میں سیاہ  
مگر اس پر بھی دبالائے ہیں میداں سے سپاہ  
کیا گذرتی ہے کلجے پہ خبر کچھ بھی نہیں  
پیاس کا جوش شجاعت میں اثر کچھ بھی نہیں

(۱۶۵)

وہ تپش مہر کی وہ تشنہ لبی اور وہ جنگ  
تمتمایا ہوا وہ دھوپ سے رخسار کا رنگ  
وہ خوشی جان کے دے دینے کی وہ زیست سے تنگ  
داغ وہ دل پہ بہتر کے وہ لڑنے کی امنگ  
وہ عیاں آنکھ سے ہوتا ہے عتاب آیا ہوا  
زیں پہ وہ عالم پیری میں شباب آیا ہوا

(۱۶۶)

بند کر دینا کبھی تیغ سے قرنا کا خروش  
کبھی کہنا دہل جنگ سے ہو جا خاموش  
ذبح کرنا کبھی ہنگام غضب طائرِ ہوش  
چوم لینا کبھی تلوار کا قبضہ دم جوش  
داد جبرئیل سے لی دشمن جان کو مارا  
ہنس دیئے جب کسی مرحب سے جواں کو مارا

(۱۶۷)

غیظ سے بڑھ کے سواروں کو کبھی للکارا  
شیر کی طرح کبھی تن کیا پارہ پارہ  
کبھی شمشیر کی تیزی کا کیا نظارہ  
عمر و کی طرح کبھی بڑھ کے قوی تن مارا  
ماٹھا خوش ہو کے نواسے کا نبی نے چوما  
بڑھ کے فرزند کے بازو کو علی نے چوما

(۱۶۸)

منہ میں کف، ماتھے پہ بل، بھولے ہوئے تشنہ لبی  
ہاشمی زلف پہ خم دبدبہ مطلبی  
رنگ بدلے ہوئے تھی جوش خون عربی  
دو قدم جب یہ بڑھے چار قدم فوج دبی  
رب شمشیر کا دامان اثر تھامے ہے  
گرد پیچھے سے سنواروں کی کمر تھامے ہے

(۱۶۹)

غصہ سے کانپتا تھا جسم شہ دیں ہر بار  
اک کی بھی اصل نہ تھی دشت میں سوہوں کہ ہزار  
آنکھیں گرمی سے وہ سرخ اور وہ پلکوں پہ غبار  
رگیں اُبھری ہوئی گردن کی نظر شیر شکار  
قصد کر لیتے تھے جس کا وہ کہاں چھٹتا تھا  
جوش خوں تھا یہ رگوں میں کہ گلا گھٹتا تھا

(۱۷۰)

چھٹ گیا سیلِ یمِ خوں سے لعینوں کا پڑاؤ  
تھنے دیتا تھا قدمِ رن میں نہ دریا کا بہاؤ  
اک جگہ رہ نہ سکا لشکرِ اعدا کا جماؤ  
ڈمگاتی ہوئی میدان سے چلی فوج کی ناؤ  
بحرِ زشتی میں جھاکاروں کی خوبی ڈوبی  
کبھی حالت یہ بتاتی تھی کہ ڈوبی ڈوبی

(۱۷۱)

تھا جو ہنگامِ وغا شیر خدا کا برتاؤ  
لے چلے تیغ کے پانی میں بہاتے ہوئے ناؤ  
دل سے کہنا متفرق نہ سپہ کا ہو جماؤ  
رن میں بڑھ بڑھ کے ہراک سمت سے فوجوں کو دباؤ  
انتہا ہے جو سزا کی وہ انہیں دے آئیں  
عصرِ نزدیک ہے کوفہ کی خبر لے آئیں

(۱۷۲)

کبھی یہ قلب سے کہنا کہ تمہیں غیظ سے کیا  
آئے ہو اپنا مکاں چھوڑ کے کٹوانے گلا  
عصر کا وقت بھی نزدیک بہت آ پہنچا  
روک لو تیغ کہیں ختم ہو میدان میں وغا  
گویہ دشمن ہیں مگر قلب ترس کھاتا ہے  
برہمی خوب نہیں صبر کا وقت آتا ہے

(۱۷۳)

جن یہ ہر مرتبہ کہتے ہیں ترس کیوں کھاؤ  
دمدمِ معرکہِ بیرِ الم دکھلاؤ  
شہرِ کوفہ سے ظفریاب پلٹ کر آؤ  
ہم کو روکا ہے تو مولا تمہیں لڑتے جاؤ  
نہیں کرتی ہے گوارا جو طبیعت نہ سہی  
زورِ حیدر ہی سہی زورِ امامت نہ سہی

(۱۷۴)

کہنے لگتے ہیں یہ خود بھی کہ جری کے ہو پسر  
کون اس دشت میں آیا نہیں کیجئے تو نظر  
انبیاء و شہدا و ملک و جن و بشر  
حسن و احمد و زہرا و علی و جعفر  
سب یہی کہہ رہے ہیں جو ہر شمشیر دکھاؤ  
دل جلی ماں کو ذرا دودھ کی تاثیر دکھاؤ

(۱۷۵)

اوپچی نیچی وہ زمیں رن کی وہ فوجوں کا ہراس  
 حملے وہ سرور والا کے وہ دو روز کی پیاس  
 فوج کا تھمنا کبھی تاکہ سنبھل جائیں حواس  
 دفعۃ آئی خبر یہ کہ وہ شیر آگیا پاس  
 دل کا ارماں نہ بر آیا تو پر ارماں بھاگے  
 پھر جفا کار ولعین چھوڑ کے میدان بھاگے

(۱۷۶)

جا رہے ہیں جو بھگاتے ہوئے فوجیں افسر  
 پیچھے پیچھے چلے جاتے ہیں شہ جن و بشر  
 ہے عجب وقت و غا کیفیت لشکر شر  
 بے تحاشا کبھی بھاگا کبھی ناوک کئے سر  
 بھیڑ میں لڑنے کے انداز کو دکھاتے ہیں  
 شہ بچاتے ہوئے تیروں کو چلے جاتے ہیں

(۱۷۷)

ہیں یہی جنگ جوانانِ عرب کے آئیں  
 تیر پر تیر جو برسا رہا ہے لشکر کیں  
 جھکے بیٹھے ہیں فرس ڈالے ہوئے سرور دیں  
 کج عمامہ ہے سپاہی کا کنوتی کے قریں  
 فوج پر تیغ ہوئی بد برے پھیرے کی طرح  
 کرتا اڑتا ہوا جاتا ہے پھریرے کی طرح

(۱۷۸)

باگیں چھوڑے ہوئے جاتے ہیں جو بے بیم و ہراس  
 ساتھ ہے خاک بھی ذروں کو لئے فرق کے پاس  
 جھک گئے ہیں سرزین اتنے شہ نیک اساس  
 قہہ چرخ بنا بھر کے ہواؤں میں لباس  
 پیرہن باد پر تیر سے کب جھومے گا  
 آج سے چھاؤں میں تاروں کی فلک گھومے گا

(۱۷۹)

بڑھتا جاتا ہے جو کوفہ کی طرف جم غفیر  
 پردہ گرد میں پوشیدہ ہے افواج کثیر  
 دور اب ہو گئے ہیں دشت سے اتنا شبیر  
 دھندلی دھندلی نظر آتی ہے غباری تصویر  
 رہی رانت کی دلوں میں نہ ہوس اوجوں کی  
 بنی نیرنگ تصور حرکت فوجوں کی

(۱۸۰)

تیز بڑھتے ہوئے جاتے ہیں شہ عرش وقار  
 چل رہی ہے اسر حق کی برابر تلوار  
 آگے آگے سپہ ظلم ہے پیچھے ہے غبار  
 خوں نظر آتا ہے پر اپنی چمک سے ہر بار  
 طرف شہ نہ رخ فوج ستم مڑتا تھا  
 گرد بٹھلانے کو اعدا کا لہو اڑتا تھا

(۱۸۱)

ہر طرف سے وہ ہوئی فوج مخالف پسپا  
 پیچھے پیچھے وہ چلی لشکر کوفہ کی قضا  
 دی وہ جو ہر نے چمک شاہ کا وہ ہاتھ اٹھا  
 شمع شمشیر کا وہ عکس فلک تک پہنچا  
 حد کا انجام ہے بد اس کا کوئی سیر نہیں  
 پنبہ چرخ میں لو لگ گئی اب خیر نہیں

(۱۸۲)

دور پر قتل وہ کرتے ہیں کسی کو شبیر  
 وہ اٹھا ہاتھ بلندی سے چلی وہ شمشیر  
 خاک تک اوج سے کھینچتی ہوئی آئی تنویر  
 تیغ کا پھل ہے کہ ٹوٹے ہوئے تارے کی لکیر  
 کچھ عجب طرح ضیاء چرخ بریں تک پہنچی  
 کاٹ کر اوج کے حصہ کو زمین تک پہنچی

(۱۸۳)

کوفہ تک لائے بھگاتے ہوئے لشکرِ یوہیں شاہ  
راستے میں نہ ملی اک تنفس کو پناہ  
اس طرف رحم پہ مائل ہوا قلبِ آگاہ  
اس طرف صف سے نکل کر یہ پکارے گمراہ  
برہمی چھوڑ دو اللہ و نبیؐ کا صدقہ  
دو اماں ہم کو رسولِ عربیؐ کا صدقہ

(۱۸۴)

واسطہ لشکرِ کیں نے جو پیہر کا دیا  
روک کے خوں بھری تلوار پکارے مولاً  
رن میں کیوں دیکھے کئی روز کے پیاسے کی وغا  
ہوئے تم اک تن تنہا سے کہاں تک پسپا  
جو ستاتا ہے وہ پابندِ جفا ہوتا ہے  
دل دکھانا کسی بیکس کا برا ہوتا ہے

(۱۸۵)

تم کو دیتا نہ کسی طرح سے اب بھی میں اماں  
اب تو قابو میں مرے آئی تھی افواجِ گراں  
قتل کر لینا تمہارا تھا نہایت آساں  
ایک مظلوم کو لیکن یہ نہیں ہے شایاں  
وہ سخی ہے کہ جو کام آئے تو جاں بھی دے دے  
ہو کے مجبور جو مانگے تو اماں بھی دے دے

(۱۸۶)

کہہ کے یہ میان میں رکھی شہ دینے تلوار  
اب نہ شبیرؑ لڑیں گے ہوئی لشکر میں پکار  
پھر وغا کے لئے پلٹی سپہِ ظلم شعار  
قتل کرنے کے لئے آگئے نزدیک سوار  
تیر برساتے ہوئے دشت کو گمراہ چلے  
زخم کھاتے ہوئے مقتل کی طرف شاہ چلے

(۱۸۷)

جس جگہ قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا تھا مقام  
تن پہ کھاتے ہوئے تلواریں وہاں آئے امام  
مائلِ ظلم و جفا تھی سپہِ کوفہ و شام  
نظر آئی جو یہ کیفیت سلطانِ انام  
جاں غم شاہ میں خاصانِ خدا کھونے لگے  
انبیاء و ملک و جن و بشر رونے لگے

(۱۸۸)

رن میں جب دیکھتے تھے شہ یہ لعینوں کی جفا  
تھے تپاں احمدؑ و ضرغامِ خدا و زہراً  
اس طرف کھا رہے تھے تیر جو سلطانِ ہدا  
رن میں اس سمت صدا میں تھیں کہ شبیرؑ یہ کیا  
برہمی قلب کی کس دن کو اٹھا رکھی تھی  
تیغ کیوں میان میں ہنگامِ وغا رکھی تھی

(۱۸۹)

اس طرف عرضِ محمدؐ سے یہ کرنا ہر بار  
واسطہ آپ کا دیتے نہ اگر ظلم شعار  
روکتا پھر نہ کبھی خوں بھری رن میں تلوار  
ہونے دیجئے رہ خالق میں بس اب مجھ کو نثار  
گر کے رہوار سے آرام تہہ خنجر لوں  
وقتِ عصر آ گیا اللہ کا سجدہ کر لوں

(۱۹۰)

شہ کے اس کہنے سے زہراً کا عجب حال ہوا  
کہہ کے یہ روئیں کہ ہے مری گودی کا پلا  
چلتے چلتے فرسِ شاہِ ادھر رن میں رکا  
تھم گئی ایک جگہ اب سپہِ ظلم و جفا  
زخم پر زخم کی تکلیف جگر سہتا ہے  
دشت میں خونِ حسینؑ ابنِ علیؑ بہتا ہے

(۱۹۱)

تن پہ وہ زخم کی کثرت وہ تپش اور وہ بن  
وہ دکھتا ہوا تلواروں کا رن میں آہن  
وہ ہراک سمت سے گھیرے ہوئے فوج دشمن  
منہ میں کانٹا سی زبان اور وہ خشکیدہ دہن  
کچھ کسی سے نہ دم تشنہ دہانی مانگو  
پیاس کہتی ہے جو مل جائے تو پانی مانگو

(۱۹۲)

تیغ کھائی کبھی شانے پہ کبھی سر پہ تبر  
کبھی پہلو پہ پڑا ظلم کا آکر خنجر  
کر لیا چشم مبارک میں کسی تیر نے گھر  
جھک گئی گرز کو کھا کر کبھی مولاً کی کمر  
ہوئے ایذاؤں سے رن میں ہمہ تن غم شبیر  
زخم سر تھام کے ہاتھوں سے ہوئے خم شبیر

(۱۹۳)

کوئی دیتا نہیں مظلوم کو بیکس کو پناہ  
تیغوں کی طرح سے ہیں خون کے پیاسے گمراہ  
آکے جب تیر پڑا وقت و غنا قلب پہ آہ  
تھام کر دل کو کہا شاہؔ نے اَنَا لِلّٰہ  
کشش تیر ادھر زخم دلی سہنے لگا  
خون پر نالے کی مانند ادھر بہنے لگا

(۱۹۴)

پشت سے کھینچ چکے تیر کو جب سرور دیں  
ڈگمگانے لگے سلطان دو عالم سر زیں  
تینیں دو چار تن پاک پہ جب اور پڑیں  
رن میں گھوڑے سے گرا دوش محمدؐ کا مکین  
درد وہ تھے جو دم غش نہ فراموش ہوئے  
رکھ کے منہ جلتی ہوئی خاک پہ بے ہوش ہوئے

(۱۹۵)

گرے رہوار سے اُس سمت تو سلطان ہدا  
شمر نے بڑھ کے بن سعد سے اس سمت کہا  
لے مبارک ہو دم جنگ تجھے فتح و غنا  
خاتمہ پختن پاک کا مقتل میں ہوا  
نیزے سے دل نے کچھ اس طرح اذیت پائی  
شاہؔ نے گرتے ہی گھوڑے سے شہادت پائی

(۱۹۶)

بڑھ کے کہنے لگا کوئی کہ غلط ہے یہ بیاں  
جلتی ریتی پہ ابھی زندہ ہیں سلطان جہاں  
مختلف قول ہراک کے جو ہوئے رن میں عیاں  
متحیر تھے سران سپہ و فوج گراں  
صاف ہوتی تھی نہ اُلجھی ہوئی تقریر کوئی  
بن نہ پڑتی تھی کسی قلب سے تدبیر کوئی

(۱۹۷)

بولا آخر یہ رئیس سپہ ناہنجار  
یہ کوئی امر نہیں ہو جو نہایت دشوار  
سننے ہیں سرور والاؔ ہیں بہت غیرت دار  
لوٹنے رانڈوں کو جائے سپہ ظلم شعار  
چاہنے والوں کو مجبور کریں گے نہ کبھی  
شاہؔ زندہ ہیں تو منظور کریں گے نہ کبھی

(۱۹۸)

پسند آیا پسر سعد کا جب یہ شوری  
سوئے خیمہ پئے تاراج چلی فوج جفا  
گوش شہؔ تک گئی گھوڑوں کی جو ٹاپوں کی صدا  
کہنیاں ٹیک کے اٹھ بیٹھے امامؔ دو سرا  
ہو کے ہوشیار اذیت کے اثر لینے لگے  
اتنی جنبش جو ہوئی زخم لہو دینے لگے



(۱۹۹)

دی صدا فوج کو مولاً نے بہ آوازِ حزیں  
جس طرح بن سکا اُس طرح پکارے شہ دیں  
میرے خیمے کی طرف جاتا ہے کیوں لشکرِ کیں  
مقتضی ملکِ عرب کی یہ ہیئت کا نہیں  
ابھی موجود ہوں میں ظلم اٹھانے کے لئے  
دشت سے جاؤ نہ رانڈوں کے ستانے کے لئے

(۲۰۰)

ذبح پہلے مجھے کر لو تو کرو اور ستم  
زندگی میں مری لٹ سکتے نہیں اہلِ حرم  
مجھ پہ جو کر رہے ہو کیا وہ جفا میں نہیں کم  
منتظرِ شمر کے خنجر کا ہے رکتا ہوا دم  
نخلِ سرسبز کو تم گلشنِ دیں سے کاٹو  
آؤ آؤ مرا سرِ خنجرِ کیں سے کاٹو

(۲۰۱)

شاہ کی سن کے صدا تھم تو گئے دشمنِ دیں  
صف سے غصہ میں نکل آیا مگر شمرِ لعین  
آستینیں پئے ذبحِ شہِ والا اُلٹیں  
ہاتھ میں میان سے جھلا کے لیا خنجرِ کیں  
ہو کے برہم سوئے شہِ دشمنِ حق جاتا ہے  
دیکھئے دشت میں پیاسے پہ گذرتی کیا ہے

(۲۰۲)

اس طرف سینہ شہ پہ رکھا ظالم نے قدم  
ننگے سرخیمہ سے اس سمت چلے اہلِ حرم  
رن میں گو تھیں نہ کسی قلب کی بیتابیاں کم  
سب سے بڑھ کر تھا مگر ایک ضعیفہ کو الم  
دردِ دل تھا اثرِ جذبِ جگر تھامے ہوئے  
بڑھتی آتی تھی سوئے فوج کمر تھامے ہوئے

(۲۰۳)

دیتی آتی تھی یہ ہر گام پہ آوازِ حزیں  
کس طرف دشتِ مصیبت میں گرے ہیں شہ دیں  
زندہ درگور مجھے کر گیا اکبر سا حسین  
اب کوئی تھامنے والا مرے بازو کا نہیں  
غم پہ غم دے گئے آنسو کے بہانے کے لئے  
سب مجھے چھوڑ گئے ٹھوکریں کھانے کے لئے

(۲۰۴)

دل کی بڑھتی ہوئی بیتابیوں کا حق ہے گواہ  
اضطرابِ جگر و قلب سے ملتی نہیں راہ  
راستا روکے ہے کیوں مقتلِ سرور کا سپاہ  
دامنِ رحم میں مل جائے ضعیفہ کو پناہ  
کوئی اس دل کے تڑپنے کی دوا دے مجھ کو  
اپنے چھوٹے ہوئے بھائی سے ملا دے مجھ کو

(۲۰۵)

چلی آتی تھیں ادھر دشت میں بنتِ زہرا  
کٹ رہا تھا شہِ مظلوم کا اُس سمت گلا  
بخت کب بھائی کے نزدیک بہن کو لایا  
تنِ شبیر سے جب ہو چکا تھا فرق جدا  
خوں میں ڈوبا ہوا جلاد کا خنجر پایا  
جلتی ریتی پہ تپاں لاشہ بے سر پایا

(۲۰۶)

رن میں میت پہ گری ہاتھ کو پھیلا کے بہن  
دی صدا بھائی کو رو کر یہ بصدِ رنج و محن  
کس طرف ڈھونڈھنے نکلے تمہیں آوارہ وطن  
دشتِ غربت سے بہت دور ہے جنت کا چمن  
اس قدر دور پہ ہے پوچھنے والا میرا  
راہ میں تھک کے رہا جاتا ہے نالہ میرا

(۲۰۷)

نظر آتا نہیں آرام کا کوئی پہلو  
اب رہے بکھرے ہوئے تا بہ قیامت گیسو  
قہر تو نے کیا اے شمرلعین و بد خو  
قتل شہ سے نہ تھمیں گے کبھی خوں کے آنسو  
خنجر ظلم نے کس شوق سے خوں چاٹا ہے  
ایک رگ کاٹ کے عالم کا گلا کاٹا ہے

(۲۰۸)

ذبح ہونے پہ بھی ہے دل کی مصیبت باقی  
نہ رہی چہرے پہ اڑتی ہوئی رنگت باقی  
کفن و غسل کے ہمراہ ہے تربت باقی  
رہ گئی اک دلِ ناشاد کی حسرت باقی  
جس سے آجاتی قضا رن میں وہ نالہ نہ کیا  
بھائی پر دھوپ میں ہمیشہ نے سایا نہ کیا

(۲۰۹)

خوب لخت دلِ حیدر کی ہوئی مہمانی  
اک نے بھی بات نہ کوئی شہ دیں کی مانی  
کس قدر خون کے پیاسے تھے ستم کے بانی  
مرتے مرتے نہ دیا شمرلعین نے پانی  
ظلم سے خلق شہ جن و بشر کو کاٹا  
دشت میں خنجر بے آب سے سر کو کاٹا

(۲۱۰)

اے مرے قافلہ سالار و مسافر بھائی  
مجھ کو خدمت سے رکھا بخت نے قاصر بھائی  
حکم دیتے نہ گئے کچھ دم آخر بھائی  
نہ کیا کیفیتِ قلب سے ماہر بھائی  
وقتِ آخر مجھے سینے سے لگاتے نہ گئے  
دل کی تکلیف اشاروں سے بتاتے نہ گئے

(۲۱۱)

سہنی ہے عالمِ غربت میں اسیری کی جفا  
چھوٹے بچے مرے ہمراہ کئی ہیں بھیا  
بازوؤں سے نہ اٹھے گی رسنوں کی ایذا  
گر تلف ہو گیا کوئی تو ہے مرجانے کی جا  
ہو کے شرمندہ زمانے سے کدھر جاؤں گی  
آپ پوچھیں گے جو بچوں کو تو مرجاؤں گی

(۲۱۲)

کہہ کے یہ سینے سے میت کو لگایا کئی بار  
مائلِ ظلم ہوئی جب سپہِ ظلم شعار  
لاش کو چھوڑ دیا دھوپ میں ہو کر ناچار  
چلی مقتل سے یہ کہتے ہوئے وہ سینہ فگار  
جب تک دشت پر آشوب میں مہمان رہے  
بے کفن لاش کا اللہ نگہبان رہے

(۲۱۳)

بس بس اب حالِ مصیبت کرو ذخیرہ نہ رقم  
دل کو تڑپاتا ہے قرطاس پہ رو کے قلم  
اپنے خالق سے دعا مانگو بصد دیدہ غم  
نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ غم شاہِ ام  
ساتھ دے گا تہہ دفن نہ کوئی ظلمت میں  
کام آئے گی ان اشکوں کی ضیا تربت میں

الحمد لله والمنۃ تمام شد تحریر این مرثیہ از  
خط ناقص سید فرزند حسین ذاکر عرف اچھن ذاکر  
لکھنوی بتاریخ بستم رجب المرجب روز دو شنبہ  
ساعت شش از عصر قریب غروب آفتاب ۱۳۳۲ھ



## لبنان کی سلامتی فوج، قوم اور تحریک مزاحمت کے مشترکہ فارمولے کا نتیجہ ہے

نیوز ایجنسی ابنا کی رپورٹ کے مطابق، سید حسن نصر اللہ نے 2 مئی منگل کو بوقت شام یوم جانبازومیلاد حضرت عباس علیہ السلام کے سلسلے میں مسلمانان عالم کو ہدیہ تحریک پیش کیا اور کہا: اسلام اور امت مسلمہ کے دفاع میں زخمی ہونے والوں (جانبازوں) کا خون ضائع نہیں ہوا بلکہ اس خون کی برکت سے امت اور ہمارے وطن لبنان کو امن کی نعمت عطا ہوئی ہے۔

انہوں نے مزاحمت کے جانبازوں کو باعث فخر گردانا اور کہا: بہت سے جانباز زخمی ہو کر صحت یابی کے بعد میدان جہاد میں پلٹ کر جام شہادت نوش کر گئے، ہمیں بھی جانبازوں کا مشن جاری رکھنا چاہئے اور ان کی بھاری ذمہ داری کو اپنے ذمے لیں۔

انہوں نے کہا کہ:

☆ جانبازوں کی قربانیاں ضائع نہیں گئیں بلکہ وطن اور امت کے لئے بڑی حصولیابیوں کا سبب بنیں۔ اور ان کی جانفشانیوں کی وجہ سے لبنان کی سرحدیں بنیادی اور بہت اہم تبدیلیوں سے گزر رہی ہیں۔

☆ آج شام کے مسلح دہشت گردوں کے نکال باہر کرنے کے بعد، عرسال کے علاقے جرود کے سوا، لبنان کی تمام سرحدیں محفوظ اور پرامن ہیں اور عرسال کا علاقہ "جرود" بھی مستقبل قریب میں پرامن علاقے میں تبدیل ہونا چاہئے۔

☆ لبنان کی سرحدوں کی سلامتی فوج، قوم اور تحریک مزاحمت کے مشترکہ فارمولے کا ثمرہ ہے۔

☆ میں یوم مزدور کی مناسبت سے مزدوروں کو مبارک باد عرض کرتا ہوں۔ بے روزگاری کا مسئلہ اہم ترین اور خطرناک مسئلہ ہے جو لبنان کو درپیش ہے، اور لبنان کی حکومت کو یہ مسئلہ حل کر لینا چاہئے۔

☆ حزب اللہ کی طرف سے عیسائی نمائندوں کے انتخاب کی مخالفت کا الزام بے بنیاد ہے۔ ہم نے اس آرتھوڈکس قانون سے اتفاق کیا جو پارلیمان کی ایک تہائی نشستوں کو عیسائیوں کے لئے قرار دیتا ہے۔

☆ ہم قانون انتخابات کو قومی زاویے سے دیکھتے ہیں، حزب اللہ اور حرکت العمل (دو شیعہ جماعتیں) قانون انتخابات سے کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

☆ ہم لبنان کی سیاسی جماعتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ انتخابات کے قانون کے سلسلے میں مطلوبہ نتائج کے حصول کی خاطر ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کے راستے پر گامزن ہوں، اور اگر ضروری ہو تو دوسرے فریقوں کو رعایتیں دیں تاکہ انتخابات کے قانون تک پہنچ سکیں۔

☆ لبنان تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور اگر ہمارے پاس ایک نیا قانون نہ ہو تو ملکی سیاست میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور تمام منفی متبادل ظہور پذیر ہو گئے؛ ہمارا پرامن ملک ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے اور ہمیں اسے تباہی کے دہانے پر نہیں پہنچانا چاہئے۔

☆ ہم پوری طاقت سے صہیونی ریاست کے جیلانوں میں فلسطینی اسیروں کی حمایت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ یکجہتی کا اعلان کرتے ہیں۔

